ندائے خلافت

۲۵ر مئی ۱۹۹۲ء

- ... سو ہیں یہ بھی آدمی!
- غریب کے لئے نیا بجٹ بھی ایک نیا تازیانہ ہے
- مجاہدین افغانستان کی خدمت میں مخلصانہ مشورے

... نہیں رہے

اب جوشِ اضطراب کے ساماں نہیں رہے — ساحل کو ہے گلہ کہ وہ طوفاں نہیں رہے

خونِ جگر سے کھیلنے والے کہاں گئے — قطرے لہو کے زینتِ داماں نہیں رہے

جن کے جنوں پہ ناز تھا فصلِ بہار کو — وہ عاشقانِ چاک گریباں نہیں رہے

پھولوں میں نازکی ہے نہ کانٹوں میں سختیاں — صحرا نہیں رہے وہ گلستاں نہیں رہے

جن کے حضور سطوتِ کسریٰ تھی سجدہ ریز — وہ بوریا نشین سلیماں نہیں رہے

تیغوں کے زخم دب گئے اچھا یوں ہی سہی — سجدوں کے داغ بھی تو نمایاں نہیں رہے

جن کی نشید نغمۂ بیدار بن گئی — وہ کاروانِ دل کے حدی خواں نہیں رہے

تھی جن کی فکر حاصلِ پروازِ جبرئیل — وہ حاملانِ معنیٔ قرآں نہیں رہے

جن کے لئے تھی "انتم الاعلون" کی نوید

اللہ کیا ہوا' وہ مسلماں نہیں رہے

ماہر القادری مرحوم

تربیت و تزکیہ

بارہواں سبق

اقامت دین

ہمارے گذشتہ سبق کا عنوان تھا "دین کو غالب کرنا" اس ضمن میں یہ بات واضح کی گئی تھی کہ ایک مسلمان پر جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ فرض ہیں اسی طرح دین کو غالب اور قائم کرنے کی جدوجہد بھی فرض ہے۔ اسی فریضے کے لئے قرآن حکیم کی ایک اصطلاح "اقامت دین" ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں یہ بات بیان فرمانے کے بعد کہ مسلمانوں کے لئے بھی اللہ نے بطور دین وہی مقرر کیا ہے جو اس سے پہلے نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے لئے مقرر کیا تھا، نہایت واضح الفاظ میں یہ حکم دیا گیا کہ: **ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ** (کہ قائم رکھو دین کو اور اس بارے میں اختلاف کا شکار نہ ہو جاؤ!)

"**اقیموا الدین**" کا ترجمہ دو طرح سے کیا گیا ہے: (۱) قائم رکھو دین کو (۲) قائم کرو دین کو۔ اور غور کیا جائے تو نتیجہ کے اعتبار سے دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اگر اللہ کا دین دنیا میں واقعی غالب اور قائم ہے تو اس کی یہ حالت برقرار رکھنے کی جدوجہد کی جائے اور اگر قائم نہیں ہے، جیسا کہ اس وقت بالفعل ہے، تو اسے قائم کرنے کی جدوجہد میں اپنا مال بھی خرچ کیا جائے اور جانیں بھی کھپائی جائیں، اپنے وقت کی قربانی بھی دی جائے اور اپنی صلاحیتیں اور استعدادات بھی اس راہ میں لگائی جائیں۔ مثال کے طور پر آپ کو ایک خیمہ کی حفاظت کی ذمہ داری تفویض کی جاتی ہے تو اس خیمہ کو "قائم رکھنا" آپ پر لازم ہے۔ طوفان بادو باراں میں خیمے کے اکھڑ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کی طنابیں مضبوط کیجئے، اس کی چوبیں اکھڑنے نہ دیجئے، اس کی لکڑیوں کو مضبوطی سے تھامے --- لیکن بالفرض اگر یہ خیمہ گر ہی پڑے تو اب اسے از سرنو "قائم کرنا" آپ کی اولین ذمہ داری ہوگی۔

اس وقت چونکہ اللہ کا دین دنیا میں بالفعل قائم اور غالب نہیں ہے۔ لہٰذا "اقامت دین" کے قرآنی حکم کا تقاضا ہے کہ دین کو قائم اور غالب کرنے کی جدوجہد کی جائے۔ یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ چونکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت نماز و روزہ وغیرہ کی ادائیگی میں بالکل آزاد ہے، دنیا میں اسلام "قائم" ہے۔ اسی طرح کی غلط فہمی پر علامہ اقبال نے ان الفاظ میں پھبتی کسی تھی ؎

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

دراصل اس طرح کی غلط فہمیاں اس وقت جنم لیتی ہیں جب اسلام کو محض ایک مذہب سمجھ لیا جاتا ہے، جس کا تقاضا محض چند مابعد الطبیعات عقائد (Dogmas) کو ماننے اور ان عقائد کے تحت چند مراسم عبودیت (Rituals) کی انجام دہی اور چند رسوم معاشرت (Social Customs) کی پابندی تک محدود ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام "مذہب" نہیں "دین" ہے، جو ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر مبنی ایک نہایت عادلانہ اور مکمل ضابطہ حیات عطا کرتا ہے اور اسے دنیا میں بالفعل قائم اور غالب کرنے کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ ○○

منہج انقلابِ نبویؐ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی

جدوجہد کے رہنما خطوط

اسلامی انقلاب کے مراحل مدارج اور لوازم

پر مشتمل

ماہنامہ "میثاق" میں شائع شدہ

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے گیارہ خطبات کا مجموعہ

اشاعتِ عام
قیمت: -/۳۰ روپے

اشاعت خاص
قیمت: -/۶۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ ماڈل ٹاؤن لاہور

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۱ شمارہ ۱۸
۲۵ر مئی ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد
معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ ۔/۳ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان) ۔/۱۲۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۶ر امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۲ر "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۷ر "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ر "

افتتاحیہ

... سو ہیں یہ بھی آدمی!

میں ایک حقیر سا انسان ہوں، آپ بہت بڑے آدمی ہوں گے لیکن ہم دونوں بہر حال اپنے خالق کی تخلیق کا شاہکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے اس محیط بے کراں میں کیا کچھ پیدا نہیں کیا، سچ تو یہ ہے کہ وہ بوقلمونی کسی بڑے سے بڑے عالم و فاضل کے بھی حاشیہ خیال تک میں نہیں آسکتی جو میرے مالک کی تخلیقات میں پائی جاتی ہے اور تکوین و تخلیق کا عمل بقول اقبال ابھی جاری ہے کیونکہ

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

میرا مالک اس پر قادر تو ہے کہ نئی سے نئی اور بڑی سے بڑی کوئی اور شے بھی پیدا کردے لیکن "اپنے دونوں ہاتھوں سے" اشرف المخلوقات کو بنا کر اس نے تخلیق کائنات کی غائت کا اتمام کردیا، انسان کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کا اعلیٰ ترین مظہر ہیں۔ آدمیت کے اس سرتاج کی شکل میں انسانیت کو تو معراج حاصل ہوگئی لیکن اپنا حال اب بھی یہ ہے کہ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔

انسانیت کے شرف کو پامال ہوتے دیکھ کر ہر حساس آدمی کے دل سے یہ ہوک اٹھتی ہے کہ ۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

لیکن اس زبوں حالی کا ذمہ دار انسان خود ہی تو ہے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مرضی بھی یہی تھی کہ جاہل انسان اپنی جان پر یہ ظلم ڈھا کر چھوڑے۔ "خود اختیاری" کا بار عظیم میرے خالق نے آسمان و زمین کی کل موجودات کو تھالی میں رکھ کر پیش کیا تھا لیکن اس بھاری بوجھ کو کسی نے بھی اٹھانے کی ہامی نہ بھری حتیٰ کہ پہاڑوں نے بھی کانوں کو ہاتھ لگائے۔ پوری کائنات اور اس کا ہر ذرہ اس فرض کی ادائیگی میں بے چون و چرا اور ہمہ وقت مصروف رہ کر جو اسے تفویض ہوا، زبان حال سے اللہ کا شکر ادا کررہا ہے سوائے انسان کے جس نے شکر گزاری یا کفران نعمت کی آزادی حاصل کر کے اپنے آپ کو اس کڑی آزمائش میں ڈالا جس کا خمیازہ ہم دنیا میں تو بھگت ہی رہے ہیں تاہم آخری نتیجہ ہار جیت کے اصل دن سامنے آئے گا۔

خود مختاری کی یہ تہمت اٹھا کر انسان نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اپنے بھائی بندوں پر بھی مسلسل ستم ڈھا رہا ہے۔ انسانوں میں سے ہی کچھ حاکم بن بیٹھے اور باقی کو محکوم بنا لیا، کچھ نے وسائل حیات پر غاصبانہ قبضہ جما لیا اور محرومیاں باقی کا مقدر ہوگئیں، کچھ کے لئے ہر روز روز عید ہے ہر شب شب برات اور باقی کے لئے صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا۔ پوری دنیا اسی پستی کی اسیر ہے لیکن بد قسمتی سے ہمارا معاشرہ اب انحطاط کی پاتال کو چھونے لگا ہے۔ بے خدا تہذیب نے تو روئے ارضی کا نقشہ ہی بگاڑا، ہم اپنی ہی صورت کو بگاڑے لیتے ہیں... کچھ دن اور یہی لیل و نہار رہے تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔

اختیار اور آزادی کا چسکا ہی دراصل انسان کے سب مصائب و آلام کا پیش خیمہ ہے۔ خود اپنے ملک میں دیکھ لیجئے، سارا فساد مادر پدر آزادی نے پیدا کیا۔ انفرادی سطح پر اس نے جو گل کھلائے وہ ہم میں سے ہر شخص خود اپنے ہی گریبان میں جھانک کر دیکھ سکتا ہے اور اجتماعیت کا جو حال ہے اس کا کہنا ہی کیا... اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے۔ بدعنوانی کا زہر معاشرے کے رگ و پے میں سرائت کرچکا ہے اور جس خرابی کا بھی ماتم کیا جائے وہ اسی کا ایک پرتو ہے یا کوئی شاخسانہ۔ اور اس کا علاج، واحد اور شافی علاج یہ ہے کہ اپنی خود مختاری کو ہم اپنے خالق و مالک کی منشاء کے تابع کردیں اور یہ بات شعوری طور پر سمجھنے کی کوشش کریں کہ روز ازل اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے آپ پر

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

البقرہ

سورۃ البقرہ
(آیات ۹۷ تا ۹۹)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

کہہ دیجئے کہ جو کوئی دشمن ہوا جبرئیل کا تو وہ جان لے کہ جبرئیل نے تو اس کلام کو آپ کے دل پر نازل کیا ہے اللہ کے حکم سے ' اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کلام کی جو اس سے پہلے ہے اور ہدایت اور بشارت ہے اہل ایمان کے لئے○

(کہ قرآن حکیم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں یہود اتنی دور نکل گئے اور عقل و شعور سے اس درجے بیگانہ ہوگئے کہ جبرئیل علیہ السلام کو اپنا دشمن قرار دے بیٹھے ۔ انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ فرشتہ ہمارا بد خواہ اور دیرینہ مخالف ہے ' اس نے ہمیں فلاں فلاں مواقع پر مصائب و آلام سے دوچار کئے رکھا۔ لہٰذا ہم کسی ایسے شخص پر ایمان نہیں لاسکتے جس کی سرپرستی ہمارا مخالف فرشتہ کرتا ہو۔ یہود کو صاف الفاظ میں سنا دیا گیا کہ جبرئیل سے دشمنی کرنے والا درحقیقت اللہ کا دشمن ہے ' اس لئے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ ہی کے حکم سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر نازل ہوتے ہیں ' اور اللہ کا جو کلام وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اتارتے ہیں وہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات کی تردید و تکذیب نہیں بلکہ تصدیق و تصویب کرتا ہوا آیا ہے لہٰذا یہ مخالفت محض جبرئیل و قرآن کی مخالفت نہیں بلکہ ان کی اپنی کتاب یعنی تورات کی بھی مخالفت شمار ہوگی ع ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں !----- اسی قسم کی حماقت میں روافض کا ایک فرقہ بھی جس کا نام غرابیہ بیان کیا جاتا ہے ' گرفتار تھا ۔ ضد اور حسد سے مغلوب ہو کر انہوں نے یہ عقیدہ تراش لیا کہ حضرت جبرئیل کو وحی اتارنی تو حضرت علیؓ پر تھی لیکن چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی میں باہم بہت زیادہ مشابہت تھی لہٰذا حضرت جبرئیل کو مغالطہ لاحق ہوا اور وہ غلطی سے نبی اکرمؐ کو وحی پہنچا آئے !! چنانچہ اس فرقے کے لوگ جبرئیل علیہ السلام کو اس غلطی پر باقاعدہ لعن طعن کرتے ہیں!)

جو کوئی دشمن ہوا اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا ' تو بلاشبہ اللہ دشمن ہے ایسے کافروں کا○

(کہ جبرئیل کی مخالفت تنہا ایک فرشتے کی مخالفت نہیں بلکہ اس طرز عمل سے اللہ تعالیٰ ' اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں سب کی مخالفت لازم آتی ہے ۔ اس لئے کہ جبرئیل علیہ السلام کو یہ ذمہ داری اللہ ہی نے تفویض کی ہے اور جس طرح جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند ہیں اسی طرح تمام فرشتے اور رسول بھی اللہ کی مرضی اور اس کے احکام کے مطابق ہی تمام امور سرانجام دیتے ہیں ۔ ان میں سے کسی ایک کی مخالفت دراصل سب کی مخالفت کے مترادف ہے ۔ ایسا کرنے والے کو جان لینا چاہیے کہ وہ محض جبرئیل کو اپنا دشمن نہیں بنا رہا اللہ کی دشمنی مول لے رہا ہے !)

اور ہم نے نازل کردی ہیں آپ کی جانب روشن آیات ' اور ان کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو نافرمان ہیں○

(کہ اے نبی ہم نے جو کلام آپ پر نازل کیا ہے وہ نہایت واضح اور روشن تعلیمات پر مشتمل ہے اور "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کے مصداق اپنی صداقت کے لئے کسی خارجی دلیل کا محتاج نہیں ' اور ان آیات بینات کا انکار تو کوئی نہایت ڈھیٹ اور ہٹ دھرم شخص ہی کرسکتا ہے !)

غریب کے لئے نیا بجٹ بھی ایک نیا تازیانہ ہے

ایک اپاہج حکومت صحت مند معیشت نہیں دے سکتی

بجٹ کا بڑا حصہ بیرونی ساہوکار لے اڑے ہیں

عبدالکریم عابد

پاکستان کی تاریخ میں ایسا بھی کوئی دن آئے گا جب وہ بجٹ پیش ہوگا جس سے ملک میں ایک نئے اصلاحی اور تعمیری دور کا آغاز ہوسکے؟۔ اس طرح کا بجٹ وہ حکمراں بھی پیش نہیں کر سکے جو بہت مضبوط تھے اور بہت فوں فاں دکھاتے تھے لیکن درون خانہ تاجروں' صنعت کاروں' زمینداروں ' جاگیرداروں ' غیر ملکی سرمایہ کاروں اور عالمی مالیاتی اداروں کے مفادات فاسدہ کے آگے سر خم کرتے رہے ۔ ان مضبوط حکمرانوں کے بعد اب جبکہ کمزور حکمرانوں کا دور چل رہا ہے تو ان سے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ وہ انقلاب انگیز بجٹ پیش کریں گے چنانچہ نیا بجٹ بھی مجبور ' معذور' اپاہج اور ناتواں حکمرانوں کا بجٹ ہے جو کسی اصلاح یا تعمیر کے لئے کوئی بڑا قدم اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتے۔

وزیراعظم نواز شریف نے اسے غریب طبقہ کا بجٹ کہا ہے مگر غریب طبقہ سے اس کا تعلق فقط یہ ہے کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بجٹ کی مار غریب طبقہ پر ہی پڑی ہے ۔ محترمہ بے نظیر کو شکوہ ہے کہ یہ کاروباری اور صنعتی طبقہ کا بجٹ ہے لیکن خود کاروباری اور صنعتی طبقہ یہ کہتا ہے کہ اسے زمینداروں اور جاگیرداروں کی خوشنودی کے لئے بنایا گیا ہے اسی لئے اس میں زرعی ٹیکس شامل نہیں ۔ جناب زاہد سرفراز کا فرمانا ہے کہ یہ بابو طبقہ کا بجٹ ہے مگر پاکستان کا کون سے بجٹ ہے جو بابو طبقہ نے نہیں بنایا۔ ایک بار پروفیسر خورشید احمد کو منصوبہ بندی کمیشن کی کچھ ذمہ داری دی گئی تھی مگر جلد ہی صدر ضیاء کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور حسب سابق ملک کی معیشت جناب غلام اسحاق کے سپرد ہوگئی اور اب ہمارے وزیر خزانہ سرتاج عزیز بھی بڑے بابو صاحب یعنی صدر اسحاق کے ہی نمائندہ ہیں ورنہ بے چارے نواز شریف بجٹ کی بھول بھلیوں اور اعداد و شمار کی شعبدہ گری کو کیا جانیں۔

اس بجٹ کی مختصر کہانی یہ ہے کہ تقریباً تین کھرب کا بجٹ ہے جس میں سے پونے دو کھرب دفاع اور قرضہ جات کی ادائیگی کے لئے ہیں ۔ بجٹ کا ۳۱ فی صد سے زیادہ قرضوں کی اقساط اور اس کے سود کی ادائیگی کے لئے اور اٹھائیس فی صد دفاع کے لئے ہے۔ تقریباً تین کھرب کے اس بجٹ میں تعلیم پر تین ارب اور صحت پر ۹۵ کروڑ روپے خرچ ہوں گے ۔ بجٹ کے خسارہ کو کم ظاہر کرنے کے لئے اعداد و شمار کی کافی ہیرا پھیری کی گئی ہے پھر بھی یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ خسارہ نوے ارب سے کم نہیں ۔ اس خسارہ کو پورا کرنے کے لئے بجٹ کا بیس فی صد بیرونی ذرائع سے قرض لیا گیا ہے ' بیس ارب کے نئے ٹیکس لگائے گئے ہیں اور بینکوں سے بھاری شرح سود پر اربوں کا جو قرضہ لیا گیا ہے ' وہ الگ ہے ۔ جبکہ یہ قرضہ لینے کے لئے طرح طرح کے بونڈز بھی جاری کئے گئے ہیں ۔

بیرونی امداد کی صورت حال اس وقت یہ ہے کہ امریکہ نے بڑی مہربانی کر کے ۳۳۰ ملین کی امداد دی ہے اور سابقہ قرضوں کی اقساط اور سود کی مد میں ۳۵۰ ملین کی رقم واپس لے لی ہے۔ برطانیہ نے ایک ہاتھ سے تیس ملین دئے ہیں تو دوسرے ہاتھ سے چالیس ملین لے لئے ہیں جبکہ فرانس اور اٹلی بھی دیتے کم ہیں اور لیتے زیادہ ہیں البتہ جرمنی اور جاپان کے قرضے ابھی کم ہیں اس لئے ان کی وصولیاں بھی ادائیگی کی مد سے کم ہیں۔ مجموعی طور پر ۱۶۴۹ ملین ڈالر قرض ملے ہیں اور پندرہ سو پچاس ملین ڈالر واپس لے لئے گئے ہیں یعنی بیرونی قرضوں کی رقم کا ۹۴ فی صد حصہ ان کی ادائیگیوں پر صرف ہو رہا ہے اس لئے اب سارا زور ملکی ذرائع سے قرض حاصل کرنے اور نیشنلائزڈ اداروں کو بیچ بیچ کر کام چلانے پر ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ فیڈرل بیورو کریسی اور کیبنٹ سیکرٹریٹ کے اخراجات دوگنے کردئے گئے ہیں اور اسے ایک کثیر الاشاعت اخبار نے فیڈرل بیورو کریسی کی عید قرار دیا ہے ۔ سمگلنگ کو روکنے کے بہانے ٹی وی ' فرج ' ائرکنڈیشنر ' میک اپ کے سامان اور کاسمیٹکس پر ڈیوٹی کم کی گئی ہے تاکہ ملٹی نیشنل ادارے خوش ہوجائیں۔ عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے کہنے پر سبسڈیز کی رقم میں بھی کچھ کمی کی گئی ہے ۔

بجٹ میں افسر حضرات ہمیشہ ہی یہ ہوشیاری دکھاتے ہیں کہ اخراجات کا تخمینہ جان بوجھ کر کم رکھتے ہیں اور آمدنی کا تخمینہ غلط طور پر زیادہ بتاتے ہیں ۔ رواں سال میں اخراجات کا اندازہ بارہ سو تیس ارب بتایا گیا تھا لیکن یہ بارہ سو پینتالیس ارب ہوگیا ۔ اسی طرح آمدنی کے تخمینہ میں سات ارب کی کمی رہی ۔ اس بار بھی جان بوجھ کر غلط تخمینہ جات رکھے گئے ہیں تاکہ خسارہ کم سے کم ظاہر کیا جاسکے۔ کہا یہ گیا ہے کہ غریب طبقہ پر ٹیکس کا بار نہیں ڈالا گیا ہے لیکن براہ راست ٹیکس صرف تین ارب کے ہیں اور بالواسطہ ٹیکس چودہ ارب کے ۔ ان بالواسطہ ٹیکسوں کا بار عوام پر ہی ہوگا۔ سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ پچھلے سال افراط زر کی شرح ساڑھے بارہ فی صد تھی ' اس سال ساڑھے دس فی صد ہے اور آئندہ مزید کم ہو گی لیکن حقیقت سب جانتے ہیں کہ مہنگائی کا بھوت قابو میں آنے والا نہیں اور اس کی تباہ کاریاں زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی جائینگی ۔ اس افراط زر کا مغرب کے استادوں کے پاس علاج نہیں تو ان کے شاگرد پیشہ بابو طبقہ کے بس میں یہ علاج کیسے ہوسکتا ہے۔

سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ۹۲ر ارب بیرونی قرضہ جات اور ۸۲ر ارب دفاع پر خرچ کرنے کے بعد باقی کیا رہ جاتا ہے جس میں کوئی منصوبہ بندی ہو جبکہ نوکر شاہی کے ہاتھی کو بھی حسب سابق تزک و احتشام کے ساتھ پالنا ضروری ہے ۔ ڈاکٹر محبوب الحق نے جو ہمارے سابقہ کئی ادوار کے وزیر خزانہ اور اب اقوام متحدہ کے مشیر ہیں ' دو سو سولہ صفحات کی ایک رپورٹ تیار کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں تمام عناصر مل کر اتفاق رائے سے اخراجات کا ایک سوشل اور ہیومن ایجنڈا تیار کریں ' بجٹ کے معاملے کو ڈی پولیٹکائز کیا جائے اور اسمبلی میں اس پر اجماع پیدا کیا جائے تاکہ حکومت کو فیصلہ کن اقدامات کی طاقت حاصل ہوسکے ۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ پاکستان ان دس ملکوں میں شامل ہے جن کا فوجی اور سوشل بجٹ بالکل غیر متوازن ہے ۔ ڈاکٹروں سے سینکڑوں گنازیادہ فوجی ہیں۔ ہم اکیسویں صدی کے لئے تیار نہیں ہیں جو ٹیکنالوجی کی صدی ہے ۔ ہماری آبادی کا صرف ۶ء۱ فی صد سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرتا ہے ۔ فی کس آمدنی کا معیار بڑھانے سے بھی کچھ نہیں ہوگا ۔ سعودی عرب میں فی کس آمدنی کافی ہے لیکن وہ خواندگی کے معاملہ میں سری لنکا سے بھی پیچھے ہے۔

ڈاکٹر محبوب الحق کی تجویز ہے کہ اگر سارک ممالک اپنے فوجی اخراجات موجودہ سطح پر منجمد کرنے کا معاہدہ کرلیں تو انہیں سماجی ترقی کے لئے تین سو بلین ڈالر کی رقم مل سکے گی لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا سمجھوتہ کیوں اور کیسے ہوگا؟۔ عالمی بینک اور آئی ایم ایف کی طرف سے پاکستان پر دفاعی اخراجات میں کمی کے لئے کافی دباؤ ڈالا گیا ہے مگر جب تک بھارت سے معاملات کا تصفیہ نہیں ہوتا ' برصغیر میں فوجی اخراجات میں کمی نہیں ہوسکتی اور کمی نہیں ہوگی تو یہ تباہی کے گرداب میں پھنسے رہیں گے اور مزید ڈوبتے چلے جائیں گے لیکن بھارت سے معاملہ اور معاہدہ کرنے کے لئے ایک مضبوط حکومت کی ضرورت ہے جبکہ موجودہ حکومت اس قدر کمزور ہے کہ ہر وقت شور برپا رہتا ہے کہ اب گئی کہ تب گئی ۔ اس طرح کی حکومت سرطانی پھوڑے کے علاج کے لئے اسپرین سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتی اور یہ کسی بھی طبقہ کی ناراضگی مول لینے کی ہمت نہیں کرسکتی ۔ یہی وجہ ہے کہ ۹۱۔ ۹۰ء کے مقابلے میں ۹۲۔۹۱ء کے انتظامی اخراجات چوبیس فی صد زیادہ رکھے گئے تھے اور اختتام سال پر یہ چوبیس فی صد بھی تیس فی صد پر منتج ہوئے اور اب ۹۳۔ ۹۲ء کے لئے اخراجات میں مزید چودہ فی صد اضافہ کیا گیا ہے جبکہ حقیقی اضافہ زیادہ ہوگا جسے منی بجٹوں کے ذریعہ پورا کیا جائے گا۔

اخراجات میں اضافہ کی اس رفتار سے قومی بجٹ کے خسارہ کو کم کرنا ممکن نہیں ہے ۔ حکومت میں ہمت ہی نہیں کہ وہ اپنے انتظامی عملہ اور اخراجات کو کم کر کے لوگوں کی ناراضگی مول لے۔ اس وقت اگر نیم سرکاری اداروں کے خسارہ کو بھی حساب میں لیا جائے تو قومی معیشت کا خسارہ ایک سو چودہ ارب سے کم نہیں ہے ۔ حالانکہ وزیراعظم نواز شریف بار بار اپنا یہ فلسفہ جتاتے ہیں کہ اچھی حکومت وہ ہے جس کا دائرہ کم سے کم ہو اور جو مختصر بھی ہو لیکن اپنے اس فلسفہ پر عمل کرنے کی تاب و سکت ان میں کہاں سے آئے گی!۔

برطانوی سامراجی نظام نے جو تام جھام ورثہ میں ہمیں دیا تھا ' صرف وہی برقرار نہیں ' ہمارے حکمرانوں نے اس میں بہت کچھ اضافہ بھی کر لیا ہے اور اس پر ضرب لگانا آسان نہیں حالانکہ ہماری انتظامی مشینری نہ صرف غیر ضروری طور پر بھاری ہے بلکہ یہ فرسودہ ہے اور وقت کے تقاضوں کو بھی پورا نہیں کرسکتی ۔

دفاع کے اخراجات کا مسئلہ بھی یہ ہے کہ اگر ان کی یہ رفتار برقرار رہی تو ہمیں ہلاک کرنے کے لئے کسی دشمن کی ضرورت نہیں رہے گی ' ہم خود ہی اپنے دفاعی اخراجات کے بوجھ تلے دب کر مر جائیں گے جیسا کہ روس کے ساتھ ہوا ۔ دفاعی اخراجات کو بھی نہ تو بے حساب ہونا چاہیے اور نہ بے احتساب رہنا چاہیے لیکن ظاہر ہے کہ نواز شریف صاحب کی کمزور حکومت دفاعی اخراجات کے سلسلہ میں بھی جنرلوں کے مطالبے پر انگوٹھا لگانے کے سوا کچھ نہیں کرسکتی اور ان کی مجہول اور اپاہج مسلم لیگ بھی دفاع کے نظام میں عوام کو شریک کرنے کا کوئی ایسا نظام نہیں اپنا سکتی جس سے دفاعی اخراجات کا بوجھ کم ہو۔ پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ سول انتظامیہ کو فوجی خریداری کے نظام کی جانچ پڑتال کا حوصلہ ہوسکے ۔

غریب کے لئے اگر حکومت نے کچھ کیا ہے تو صرف یہ کہ بجٹ سے پہلے آٹے کی قیمت میں ڈھائی روپے کلو کا اضافہ ہونے دیا اور اب اعلان کیا ہے کہ غریبوں کے لئے ایک روپیہ کلو کم پر آٹے کے فوڈ سٹامپ جاری ہونگے اور یہ فوڈ سٹامپ کی سکیم بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ اس پر عمل کیسے ہوگا اور اس کا فائدہ واقعی غریبوں کو ہوگا یا یہ ایک روپیہ کلو بھی مفت خورے لے اڑیں گے۔ حکومت کا دعویٰ ہے کہ اقتصادی ترقی کی شرح ۶ء۴ فی صد زیادہ رہی ہے جو کہ بڑی کامیابی ہے لیکن یہ شرح زرعی پیداوار کی وجہ سے ہے اور زرعی پیداوار میں بھی صرف کپاس کی کاشت میں اضافہ ہوا ہے ۔ کپاس کے علاوہ باقی زرعی اجناس کی پیداوار جمود کا شکار ہے اور مینو فیکچرنگ کے شعبہ میں پیداوار کوئی اضافہ نہیں دکھا سکی ۔ خود اناج کی مجموعی پیداوار بھی پہلے سے کم رہی ہے ۔

وزیر خزانہ کے اس دعویٰ پر کسی نے یقین نہیں کیا کہ ملکی سرمایہ کاری میں پچیس فی صد اضافہ ہوا اور کئی لاکھ کارکنوں کو روزگار ملا ہے ۔ سرمایہ کاری صرف کاغذات میں ہے اور پیداوار میں اضافہ کہیں بھی نہیں ۔ روزگار کے نئے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

عورت کی حکمرانی

ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر جاوید اقبال

ڈاکٹر اسرار احمد

"عورت کی سربراہی اور ڈاکٹر حمید اللہ" کے عنوان سے محترم جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال کی جو تحریر روزنامہ جنگ کی اشاعت ۱۳ر مئی میں شائع ہوئی ہے اور جس کے ضمن میں ادارہ کی جانب سے اظہار خیال کی دعوت عام بھی دی گئی ہے' اس میں محترم جسٹس صاحب نے اس خاکسار کے نام کا ذکر صراحت کے ساتھ کر کے کم از کم میرے لئے تو اظہار خیال کو واجب کر ہی دیا ہے۔

سو عرض ہے کہ جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے' خود میری رائے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی رائے یا فتویٰ کی بنا پر نہیں' بلکہ بہت پہلے سے یہ ہے کہ کسی خاتون کا سربراہ حکومت ہونا شریعت اسلامی کی رو سے حرام مطلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی قطعی اور حتمی ممانعت قرآن اور سنت کی کسی نص صریح میں وارد نہیں ہوئی۔ اس رائے کا اظہار میں بہت پہلے سے کر رہا ہوں اور جہاں تک مجھے معلوم ہے پھر جس حد تک میں نے استصواب کیا ہے' علمائے کرام اور مفتیان دین کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ معاملہ حرمت قطعی کا نہیں ہے --- یہی وجہ ہے کہ اب سے لگ بھگ چار سال قبل جب ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں پاکستان پیپلزپارٹی نیشنل اسمبلی میں سب سے بڑے گروپ کی حیثیت سے سامنے آئی تو میں نے مطالبہ کیا تھا کہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کو حکومت بنانے کی دعوت دی جائے اس لئے کہ مروجہ نظام کے مطابق بھی یہ ان کا حق ہے اور مصلحت ملک و ملت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اگر میں عورت کی سربراہی کو حرام مطلق سمجھتا تو ہرگز یہ رائے نہ دیتا۔

البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عورت کی سربراہی شیر مادر کی طرح حلال و طیب یا کوئی مطلوب اور پسندیدہ شے سمجھ لی جائے۔ شریعت اسلامی میں "نہ ہر زن زن است' نہ ہر مرد مرد ... خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد" کی طرح نہ تمام مطلوبہ اور پسندیدہ چیزیں ایک درجہ کی ہیں' نہ ہی جملہ ناپسندیدہ اور غیر مطلوب چیزیں ہم رتبہ ہیں' بلکہ جس طرح مطلوب چیزوں میں سب سے اوپر درجہ فرض کا ہے' پھر واجب کا' پھر سنت موکدہ کا' پھر سنت غیر موکدہ کا اور پھر مستحبات کا --- اس طرح ناپسندیدہ اور قابل ترک چیزوں میں بھی سب سے شدید معاملہ حرام مطلق کا ہے' اس سے کم تر مکروہ تحریمی کا اور پھر سب سے ہلکا مکروہ تنزیہی کا۔ اس تقسیم کی رو سے عورت کی سربراہی کا مسئلہ مکروہ تحریمی کے درجے سے تعلق رکھتا ہے۔

اسلام نے جو معاشرتی اصول اور قواعد بیان کئے ہیں ان کے مطابق عورت اور مرد کے فرائض اور دائرہ ہائے کار بنیادی طور پر جدا جدا ہیں چنانچہ عقل اور فطرت کے عین مطابق مردوں پر زیادہ بھاری ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں جن کا زیادہ تعلق قوم اور معاشرے کے "حال" سے ہے جیسے کسب معاش اور دفاع ملک و ملت کے لئے جنگ وغیرہ جبکہ عورتوں پر نسبتاً ہلکی ذمہ داریاں عائد کی گئیں یعنی خانہ داری اور گھر گرہستی کے علاوہ اولاد کی پرورش اور تربیت جس پر ملک و ملت کے "مستقبل" کا دارو مدار ہے۔ (یہی سبب ہے اس امر واقعی کا بھی جس پر ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر جاوید اقبال دونوں کا اتفاق ہے یعنی نبوت کے "قول ثقیل" اور فرائض رسالت کے بارگراں سے عورتوں کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے)۔

پھر ستر و حجاب کے احکام بھی ہیں' جن سے بحمداللہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو بھی انکار نہیں ہے' اور سب سے بڑھ کر اصولی معاملہ یہ ہے کہ کسی عورت کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ تجرد کی زندگی بسر کرے گی جو ایک غیر فطری اور شریعت اسلامیہ کی رو سے ناپسندیدہ شے ہے' یا وہ لازماً کسی مرد کی بیوی ہوگی اور اس اعتبار سے شرعاً" اور حکماً" ہی نہیں طبعاً" اور عملاً بھی اس کے تابع ہوگی۔ اس صورت میں جبکہ وہ ایک خاندان کی سربراہ بھی نہیں ہو سکتی تو کسی قوم یا ملک کی سربراہ کیسے ہو سکتی ہے؟۔

جہاں تک عورت کی سربراہی کے جواز کے سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے "شرعی دلائل" کا تعلق ہے' واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت کمزور اور بودے ہیں۔ اور اس ضمن میں کراچی کے چند چوٹی کے علماء اور مفتی حضرات کا جو بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے وہ یقیناً بہت وقیع اور وزنی ہے یعنی یہ کہ تاریخ کا محقق یا قدیم و ثائق کا مرتب ہونا جدا بات ہے' اور احکام شرعی کا استخراج و استنباط بالکل دوسری بات ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا خلوص اپنی جگہ' اسی طرح ان کی ذاتی نیکی اور تقویٰ بھی مسلم' اور تبلیغ اسلام کے لئے ان کی خدمات بھی قابل تعریف' لیکن فقہ اسلامی کے اصول و فروع کا علم ایک بالکل دوسری شے ہے۔ (خود راقم کو اعتراف ہے کہ وہ بھی دعوت و تبلیغ کے میدان کا آدمی ہے فقہ و فتویٰ کی صلاحیت کا ہرگز مدعی نہیں!)۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا صحیح بخاری میں وارد شدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کو کہ " وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے ایک

عورت کو اپنا والی بنا لیا" صرف پیشگوئی کے درجہ میں رکھنا یقیناً محل نظر ہی نہیں قابل تعجب بھی ہے ! ۔ آنحضورؐ کے اس قول میں جہاں یقیناً پیشگوئی بھی وارد ہوئی ہے وہاں اس سے بلا شک و شبہ عورت کی سربراہی کی مذمت بھی ثابت ہوئی ہے --- یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ کلام خبریہ ہے انشائیہ نہیں' لہٰذا اس سے جو مذمت ثابت ہو رہی ہے وہ حرمت قطعی کی نہیں' کراہت تحریمی کی ہے۔ اور یہ بالکل قرآن کے اس بیان کے مطابق ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مخبر نے بھی انہیں قوم سبا کے جن قابل مذمت حالات کی اطلاع دی تھی ان میں سورج کی پرستش کے ساتھ ساتھ عورت کی حکومت بھی شامل تھی۔

اسی طرح ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا یہ قول بھی ثبوت کا محتاج ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کو اپنے ملک کی سربراہی پر برقرار رکھا۔ قرآن مجید کے الفاظ مبارکہ یعنی " اس سے کہہ دیا گیا کہ داخل ہو جا محل میں !" سے تو زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آنجنابؑ نے ملکہ سبا کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ واللہ اعلم !

جہاں تک حضرت ام ورقاء رضی اللہ عنہا کی امامت صلوۃ کا تعلق ہے' اس کے ضمن میں صاف محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کھینچ تان سے کام لے رہے ہیں اور جملہ قیاسات کو صرف ایک رخ پر لے جا رہے ہیں۔ ابو داؤد کی روایت میں کہیں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کی مخلوط جماعت کی امامت کرتی تھیں۔ اور دوسری احادیث کو سامنے رکھا جائے تو زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ جماعت ان کے گھر میں ہوتی تھی اور اس میں صرف خواتین شرکت کرتی تھیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اس مسجد خانہ کے لئے مؤذن کی حیثیت سے ایک معمر مرد کے تقرر سے یہ گمان تو کر رہے ہیں کہ وہ صاحب اذان دینے کے بعد نماز ادا کرنے کے لئے کسی دوسری مسجد میں تو نہ جاتے ہوں گے --- گویا کم از کم ایک مرد مقتدی تو ثابت ہو ہی گیا' لیکن اس پر غور نہیں کرتے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ وہاں مرد کو مؤذن مقرر کیا گیا کسی عورت کو نہیں ! ۔ اس کا سبب' ظاہر ہے کہ' اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ اگر عورت اذان دیتی تو اس کی آواز لامحالہ مردوں اور عورتوں سب کے کانوں تک پہنچتی جو ہر گز پسندیدہ نہیں' تو کیوں نہ اس سے یہ استدلال کیا جائے کہ نماز میں بھی صرف عورتیں ہی شریک ہوتی تھیں' مرد نہیں' اس لئے کہ اس صورت میں انہیں عورت کی قراءت کا استماع کرنا ہوتا۔ دوسری طرف یہ فرض کرنے میں ہرگز کوئی امر مانع نہیں ہے کہ مرد مؤذن اذان دینے کے بعد کسی دوسری مسجد میں نماز ادا کرتے ہوں۔

اسی طرح اگر امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں رضیہ سلطانہ' یا اس قبیل کی ایک دو مزید مثالیں مل جاتی ہیں تو کیوں نہ اسے اس اصول پر محمول کیا جائے کہ "استثناء سے قاعدہ کلیہ مزید ثابت ہوتا ہے"۔ مجبوری اور اضطرار کی حالت میں تو حرام مطلق کا بقدر ضرورت استعمال بھی جائز ہو جاتا ہے --- جبکہ یہ معاملہ تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے' حرام مطلق کا نہیں' کراہت تحریمی کا ہے !

ماضی قریب میں اس کی ایک مثال والیہ بھوپال کی ہے' --- جس کے ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ تاہم ان کے بارے میں یہ معلوم و مشہور ہے کہ وہ پردہ میں رہ کر حکمرانی کے فرائض سرانجام دیتی تھیں--- اور کم از کم پبلک اجتماع میں تو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر عورت سربراہی کے منصب پر فائز ہو تو اسے حجاب کرتے ہوئے فرائض ادا کرنے چاہیں --- ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب سے نجی گفتگو میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف ان کے لئے حجت ہو سکتا ہے --- سب کے لئے نہیں !۔ (رضیہ سلطانہ کے بارے میں بھی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وہ نقاب استعمال کرتی تھی اور میدان جنگ میں مردانہ لباس زیب تن کرنے سے بھی یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ اس صورت میں وہ بے حجابت ہوتی تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ زرہ بکتر میں تو حجاب کے مقاصد بدرجہ اتم پورے ہو سکتے ہیں۔)

آخر میں پھر وضاحت ہے کہ ان سطور کے راقم کو فقہ و فتویٰ کا دعویٰ ہرگز نہیں ہے --- یہی وجہ ہے کہ وہ فقہی مباحث سے حتی الامکان گریز ہی کرتا ہے۔ میری رائے میں ہمارا اصل مسئلہ ایمان کی کمزوری اور یقین کے اضمحلال کا ہے جس کے نتیجے میں ہمارا مسلمان کی طرح جینے اور اسلام کی حالت میں مرنے کا ارادہ کمزور پڑ گیا ہے۔ اور اس بنا پر شریعت کے احکام کے ضمن میں ہم چور دروازوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور مغربی تہذیب کے "جھوٹے نگوں" کی "صناعی" سے مرعوب اور چمک دمک سے خیرہ ہو کر "بازی بازی باریش بابا ہم بازی" کے مصداق شریعت اسلامی کے احکام میں بھی کتر بیونت کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے راقم کی سعی و جہد اور تگ و دو اصلاً" علم و ہدایت قرآنی کی نشر و اشاعت کے ذریعے ایمان کی تجدید و تقویت کے لئے وقف ہے۔ جب کسی فرد کے دل میں ایمان راسخ ہو جاتا ہے تو اس میں از خود طلب پیدا ہو جاتی ہے کہ شریعت کا حکم معلوم کرے اور اس پر عمل کرے --- اسی طرح جب کسی معاشرہ میں ایمان مستحکم ہو جاتا ہے تو اس میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کی پیروی کا جذبہ اور ارادہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ کسی چور دروازے کی تلاش کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

رہے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب تو اگرچہ ان کے ایمان کے رسوخ' اور یقین کی پختگی پر ہمیں ہرگز کوئی شک نہیں' تاہم وہ بھی انسان ہیں اور طویل عرصہ سے "دیار مغرب" اور اس کے بھی عین قلب میں رہائش پذیر ہونے کے باعث ان کا ماحول سے کسی حد تک متاثر ہو جانا ہرگز نہ مستبعد ہے نہ ان کی ذاتی عظمت کے منافی --- چنانچہ اپنے ان تسامحات پر بھی وہ کسی غیظ و غضب کے نہیں' ہمدردی اور عفو کے مستحق ہیں !۔

البتہ بصد ادب و احترام جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب سے یہ سوال کرنے کو ضرور جی چاہتا ہے کہ کیا وہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے ان جملہ خیالات کی تصویب فرماتے ہیں جو انہوں نے مختلف مجالس میں پیش کئے ؟۔ یا یہ صرف کسی ایک مسئلے میں ذاتی پسند و ناپسند کا معاملہ ہے ؟---- ہمیں تو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا یہ طرز عمل بھی انتہا پسندانہ نظر آتا ہے کہ وہ فوٹو گرافی کو اس درجہ حرام مطلق قرار دے بیٹھے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر انٹرویو سے بھی انکار فرماتے ہیں ---- ان کی خدمت میں بھی یہ سوال بصد ادب و احترام پیش ہے کہ اگر نجی ضرورت اور مصلحت کے تحت (مثلاً پاسپورٹ کے لئے) فوٹو کھنچوانا کراہت ہی کے ساتھ سہی' جائز ہے تو تعلیمی اور تبلیغی مقاصد کے لئے اس سے اس قدر گریز کیوں ؟۔ ○○

...اور میں نے سوچا

محمد سمیع

ویسے تو عموماً شادی ہالوں میں منعقد ہونے والی تقریبات میں شرکت سے اجتناب ہی کرتا ہوں لیکن آج ایک جگہ پھنس ہی گیا۔ تقریب طعام ولیمے کی تھی اور کھانے کا وقت ۹ بجے شب طے تھا۔ میں ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکلا ' ارادہ یہ تھا کہ تنظیم اسلامی ضلع وسطی کراچی کے دفتر کا چکر لگا لوں گا اور عشاء کی نماز بھی پڑھ کر ساڑھے نو بجے تک شادی ہال میں پہنچ ہی جاؤں گا گویا میں نے اپنی دانست میں آدھے گھنٹے کا مارجن رکھا تھا۔ خوش قسمتی سے تنظیم کے دفتر میں مقامی امیر جناب اختر ندیم صاحب سے ملاقات ہوگئی جو اکیلے ہی بیٹھے کام میں مصروف تھے۔ بہر حال تقریباً نو بجے تک ان کے ساتھ مختلف موضوعات پر جن میں توسیع دعوت اور دوسرے امور شامل تھے ' محو گفتگو رہا۔ نو بجے مسجد فاروق اعظم میں عشاء کی نماز پڑھی اور تقریباً ساڑھے نو بجے میں تقریب میں پہنچ گیا۔

وہاں دو نوجوان بچیاں خواتین کے استقبال کے لئے ہار لئے کھڑی تھیں اور چونکہ یہ شادی ہال بند نہیں بلکہ کھلا لان تھا لہٰذا یہاں خواتین کے لئے علیحدہ سے کوئی انتظام نہیں تھا۔ پورے میک اپ میں "مستور" ان بچیوں کو دیکھ کر میرا ذہن طعام ولیمہ کی اس سنت کی طرف گیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمہ زہراؓ اور حضرت علیؓ کے نکاح کے بعد ہوا تھا۔ وہ فاطمہ زہراؓ جن کی تدفین رات کے بعد ازاں کے وقت صرف اس لئے عمل میں لائی گئی تھی کہ کسی نامحرم کی نظر ان کی میت پر بھی نہ پڑے۔ ایک طرف تو وفات کے بعد بھی پردے کا یہ اہتمام اور یہاں زندگی بلکہ عنفوان شباب میں بے پردگی کا یہ عالم!۔

دس بجے کے بعد نوشے میاں مع اپنی دلہن کے تشریف لائے۔ ویڈیو کیمرہ والے تو پہلے ہی مصروف عمل تھے لیکن اب ان کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگیا۔ یہ ویڈیو فلمیں جو گھر گھر دیکھی جائیں گی اور ہر کس و ناکس انہیں بار بار دیکھے گا۔

گیارہ بج گئے ' مہمانوں کے آنے کا سلسلہ جاری تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ قومیں جنہوں نے آج دنیوی ترقی کے میدان میں دوسری قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے انہوں نے بھی وقت کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے اس سے زیادہ سے زیادہ استفادے کا اہتمام کیا ہے اور ہمارا یہ عالم ہے کہ ہم' اخروی فلاح کو تو جانے ہی دیجئے کہ اس بات میں شاذو نادر ہی کوئی سوچتا ہے' دنیوی ترقی میں بھی وقت کی اہمیت کو نظرانداز کئے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا شمار پسماندہ ترین اقوام میں ہوتا ہے۔

خیر خدا خدا کر کے ساڑھے گیارہ بجے کھانا شروع ہوا۔ اگر تھوڑا سا انتظار اور کر لیا جاتا تو شاید Brunch کی طرح کی کوئی اصطلاح ذہن میں آجاتی۔ ایک بات اور جو مشاہدہ میں آئی وہ یہ تھی کہ آج کل جبکہ عموماً لوگوں کو کھڑے ہو کر کھانا پڑتا ہے ' یہاں تقریباً تمام ہی افراد باضابطہ میز کرسی پر کھا رہے تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب بھی لوگ اپنے روایتی طریقے سے بیٹھ کر کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جو لوگ "بفے" کے حق میں یہ استدلال دیتے ہیں کہ اس سے وقت کی بچت ہوتی ہے ' ان سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کھانے سے قبل جو گھنٹوں کے حساب سے وقت ضائع کیا جاتا ہے اس کا کیا جواز ہے؟

بہر حال میرے لئے اب بھی ایک مسئلہ موجود تھا ' گھر تک پہنچنے کا۔ میں ایسی جگہ رہتا ہوں جہاں جانے کے لئے بسیں رات کے گیارہ بجے کے بعد نہیں ملتیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر شادی ہال والے ہم جیسے لوگوں کے لئے اپنے ہاں شب بسری کا بھی انتظام رکھتے۔ اس طرح جہاں ہم جیسوں کا مسئلہ حل ہوتا وہاں ان کے لئے آمدنی کا ایک مزید ذریعہ بھی مہیا ہوجاتا۔

ہمارے برادر نسبتی کا کہنا تھا کہ رات میں ان کے گھر پر گزار لوں جبکہ ہم زلف صاحب کی خواہش تھی کہ میں ان کے ساتھ چلوں ' ویسے اختر ندیم صاحب بھی یہ کہہ گئے تھے کہ اگر واپسی کا مسئلہ ہوجائے تو میں بلا تکلف ان کے گھر آجاؤں لیکن میری خواہش تھی کہ واپس گھر پہنچ جاؤں۔ بہر حال ایک صاحب میرے علاقے کی طرف جا رہے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں انکی گاڑی میں چلا چلوں' راستے میں نزدیک ترین جگہ پر وہ مجھے ڈراپ کردیں گے۔ اب ان کے شوفر صاحب کے مچلنے کی باری تھی وہ فرمانے لگے کہ اتنی رات گئے ان کے لئے مشکل ہوگا کہ وہ مجھے میری قریب ترین جگہ پر جا کر اتاریں ' بہرحال بڑی مشکلوں سے یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔

اور میں نے سوچا کہ ایک طرف شادی کی تقریبات میں گلیمر کا یہ عالم ہے کہ مجھ جیسا انسان مسنون ولیمے کی محفل میں بھی اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے اور دوسری طرف امیر محترم اور ان کے ساتھ اسی ماحول میں شادی بیاہ کے ضمن میں اصلاحات رسوم میں صرف زبانی ہی نہیں عملی طور پر بھی کوشاں ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ یہ بڑے دل گردے کا کام ہے!۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

کوپن برائے سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریداری

میں ہفت روزہ "ندائے خلافت" کا سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریدار بننا چاہتا ہوں / چاہتی ہوں ۔ براہ مہربانی درج ذیل پتہ پر پرچہ جاری کردیجئے۔ زر تعاون کی رقم مبلغ -------- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

نام .....

پتہ .....

نوٹ:(رقم ہفت روزہ "ندائے خلافت" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتہ پر ارسال کی جائے)

مجاہدین افغانستان کی خدمت میں مخلصانہ مشورے

مرتبہ : ریاض الحق

خونریزی بند ہونی چاہیے' ملک کی سالمیت کو محفوظ کیا جائے

اسلامی حکومت تو دعوت کا مرحلہ طے کر کے قائم ہو گی

یوں پاکستان اور افغانستان مل کر عالمی خلافت اسلامیہ کا نقطہ آغاز بھی بنیں گے

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان' ڈاکٹر اسرار احمد کے جمعہ یکم مئی کے خطاب کا نصف ثانی

چند باتیں افغانستان کی موجودہ صورت حال کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں جس کے ضمن میں رفتہ رفتہ دو متضاد تصاویر ابھر کر سامنے آرہی ہیں۔ ایک سرکاری تصویر ہے جو نواز شریف صاحب' حکومت ' وزارت خارجہ یا ان کے حواریوں کی دی ہوئی ہے ۔ وہ یہ کہ مجاہدین کی فتح ہوگئی ہے چنانچہ فتح کے شادیانے بج رہے ہیں اور آج نماز شکرانہ ادا کی جائے گی ۔ گویا کہ منزل مقصود تک پہنچ گئے اور جو اصل مراد تھی ' وہ حاصل ہوگئی ۔ جبکہ دوسری تصویر گلبدین حکمت یار صاحب کے حوالے سے سامنے آتی ہے ۔ صرف ان کے حوالے سے نہیں بلکہ دو اور جماعتوں کا رنگ بھی اس میں شامل ہے ۔ آج ہی ایک تصویر اخبارات میں چھپی ہے جس میں ہمایوں اختر صاحب عبدالرب رسول سیاف صاحب اور یونس خالص صاحب سے پشاور میں بات چیت کررہے ہیں ۔ تصویر میں احمد شاہ احمد زئی نظر آتے ہیں ۔

مؤخر الذکر دو گروپوں میں سے ایک کے سربراہ عبدالرب رسول سیاف صاحب کے مختلف نام آتے ہیں مثلاً عبدالرسول سیاف اور عبدالرب سیاف جبکہ ان کا اصل نام عبد الرسول سیاف ہے ۔ ان کی داڑھی بھی بہت لمبی ہے ' بہت بڑے عالم دین ہیں اور حدیث پڑھاتے تھے ۔ افغان جہاد کے سلسلے میں یہ سعودی عرب کے دورے پر جاتے تھے جہاں سے مجاہدین کو بہت زیادہ مالی امداد ملتی تھی تو وہاں کے اہل علم حضرات نے اعتراض کیا کہ عبدالرسول سیاف تو مشرکانہ نام ہے ۔ ہندوستان میں ایسے نام اکثر و بیشتر رکھے گئے ہیں اور جیسے " ابن " کی نسبت کئی معنی میں ہے ' اسی طرح "عبد" بھی کسی تعلق اور عقیدت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوسکتا ہے ۔ تاہم جن لوگوں کی نسبت تو حید زیادہ قوی ہے وہ اسے گوارا نہیں کرتے ۔ ان کے نزدیک اس میں اشتباہ بھی نہیں ہونا چاہیے ۔ عبد کا لفظ صرف اللہ کے ساتھ ہی مخصوص ہونا چاہیے جیسے عبداللہ یا عبدالرحمٰن ۔ اس اعتراض کی وجہ سے ان کا نام وہاں عبدالرب رسول سیاف کر لیا گیا اور اب وہ اسی نام سے معروف ہیں ۔

یہ دو گروپ ان کے ساتھ شامل ہیں اور پھر جماعت اسلامی ہے جو پاکستان کی اہم سیاسی جماعت ہے اور اس کا جو رول اور رابطہ جہاد افغانستان کے ساتھ رہا ہے وہ بھی سب لوگوں کے علم میں ہے ۔ آج سلیری صاحب کے مضمون سے بھی اسی دوسری تصویر کی توثیق ہوتی ہے کہ ۔

نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ منزل ابھی نہیں آئی

ان کے نزدیک یہ درحقیقت انتقال اقتدار نہیں ' اشتراک اقتدار ہے ' ایک شخص نجیب اللہ تو ہٹ گیا ہے لیکن کیمونسٹوں کے گروہ اور ان کی فوج اور ملیشیا کو قائم رکھتے ہوئے ان کے ساتھ معاہدہ ہورہا ہے ۔ جبکہ خالص اسلامی حکومت کے قیام کے آثار جہاں تک نگاہ دیکھ سکتی ہے ' نظر نہیں آرہے ۔

اس صورت حال میں دو اندیشے ہیں ۔ ایک اندیشہ یہ کہ ابھی خونریزی جاری رہے گی جس کی خبریں بھی آرہی ہیں ۔ اگرچہ حکمت یار صاحب بعض اعتبارات سے شکست کھا گئے ہیں ' لیکن ان کی طاقت اور ان کا اثر و رسوخ برقرار ہے اور جو علاقے ان کے زیر اثر تھے ' وہ قائم ہیں۔ ایسا نہیں کہ معاملہ اس طریقے سے آناً فاناً ختم ہوجائے بلکہ ہوگا یہ کہ اگر انہوں نے اپنی اسی پوزیشن کو برقرار رکھا ' نئی عبوری حکومت کو تسلیم نہ کیا ' اس کے ساتھ تعاون نہ کیا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ مزید کچھ عرصے جنگ جاری رہے گی ۔ ع اور کچھ روز سلاحوں سے لہو برسے گا ۔ گویا خونریزی کا شدید اندیشہ موجود ہے ۔ اس سے بھی خطرناک بات جو کسی کو بھی پسند آنے والی نہیں ' وہ افغانستان کی تقسیم ہے ۔ افغانستان کے نسلی اور لسانی اعتبار سے دو یا تین حصے ہیں ۔ ایک شمالی علاقہ' جہاں زیادہ تر فارسی بولنے والے تاجک ہیں ۔ احمد شاہ مسعود بھی تاجک ہیں افغان نہیں ' ان کا علاقہ علیحدہ ہوجائے گا ۔ دوسرا افغانوں کی اکثریت کا پشتو بولنے والا علاقہ علیحدہ ہوجائے گا ۔ تیسرا ایران کے ساتھ ملحقہ علاقہ ہے جس پر ایران کا اثر و رسوخ ہے اور وہاں شیعوں کی ایک تعداد بھی ہے ۔

اگر صورت حال میں بہتری پیدا نہیں ہوتی ' کوئی پیش رفت نہیں ہوتی اور تصادم جاری رہتا ہے تو خاکم بدہن افغانستان تین حصوں میں تقسیم ہوجائے گا ۔ پھر یہ بات بھی درست ہے کہ اگر افغانستان میں اس قسم کی تقسیم ہوگئی تو پاکستان بھی

اس سے غیر متاثر نہیں رہے گا ۔ افغان علاقہ علیحدہ ہوجاتا ہے تو پاکستان میں جو افغان آباد ہیں ان کے ذہن بھی انتشار کا شکار ہوجائیں گے ' پختونستان کا پرانا سٹنٹ بھی اٹھ کھڑا ہوگا کیونکہ اس میں ایک بڑی کشش پیدا ہوجائے گی کہ اگر افغانستان میں افغان اکثریت کا علاقہ علیحدہ ہوسکتا ہے تو پاکستان میں کیوں نہیں ! یوں ہمارا ملک بھی شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گا ۔ ہمارے اپنے حالات بھی پہلے سے کچھ اچھے نہیں ' یہ ایک اضافی عامل ہوگا ۔ پیر پگاڑا صاحب جو باتیں کہتے ہیں ان میں سے کچھ لایعنی ہوتی ہیں ' کچھ مذاق کے انداز میں بھی لیکن کبھی کبھی کوئی سنجیدہ بات بھی کرجاتے ہیں ۔ ان کی یہ بات سنجیدہ باتوں میں شامل ہو سکتی ہے کہ اگر افغانستان کی تقسیم ہوجاتی ہے تو پھر پاکستان بھی غیر متاثر نہیں رہے گا بلکہ یہاں بھی شکست و ریخت کا عمل شروع ہوجائے گا ۔

میں نے ۱۷ر اپریل کو اپنے قرآن اکیڈمی کے خطبہ جمعہ میں تفصیل سے بات کی تھی کہ جہاد کے لوازم کیا ہیں' مدراج کیا ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کے اصل اہداف و مقاصد کیا ہوتے ہیں ۔ اس عمومی مجلس میں پہلی دفعہ میں نے ایک واقعہ سنایا ۔ پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ میری ملاقات احمد شاہ احمد زئی صاحب سے ہوئی تھی جو عبدالرب رسول سیاف صاحب کے نمبر دو ہیں ۔ انہیں قبل ازیں پاکستان میں بننے والی افغانستان کی عبوری حکومت کا صدر بنایا گیا تھا اور اب وہ مجددی صاحب کی اعلان کردہ کابینہ میں وزیر داخلہ ہیں ۔ تاہم جس وقت میری پہلی ملاقات ہوئی اس وقت وہ صدر نہیں تھے۔ اس ملاقات کی تقریب یہ ہوئی کہ امریکہ میں ہماری تنظیم اسلامی کے حلقے کے ناظم عطاء الرحمٰن صاحب اور احمد شاہ صاحب زئی صاحب امریکہ میں ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں ۔ ہمارے رفیق عطاء الرحمٰن صاحب بھی سول انجینئر ہیں اور احمد شاہ احمد زئی صاحب بھی سول انجینئر ' ان کے پرانے تعلقات ہیں ۔ پھر ریاض (سعودی عرب) میں ان کی کسی موقع پر ملاقات ہوئی تو عطاء الرحمٰن صاحب نے انہیں تنظیم اسلامی سے تعارف کرایا کہ ایک تنظیم ہے جو اسلامی انقلاب کے لئے کوشاں ہے اور بیعت کی بنیاد پر قائم ہے تو احمد شاہ احمد زئی حیران ہوئے کہ میں نے تو پاکستان میں اس طرح کی کسی تنظیم کا نام نہیں سنا ۔ یہ پانچ سال پہلے کی بات ہے اس وقت تک اخبارات وغیرہ کے اندر شعشاً میرا ذکر تو پاکستان میں تھا لیکن تنظیم اسلامی ابھی اس سطح پر متعارف نہیں ہوئی تھی کہ لوگوں کے علم میں ہوتا کہ اس کے کیا نظریات ہیں اور یہ کس طور پر کام کرنا چاہتی ہے۔ اس وقت صورت حال تبدیل ہوچکی ہے ۔ اور چاہے وہ اختلاف کرتے ہوں یا تنقید کرتے ہوں لیکن بہر حال لوگوں کے علم میں آگیا ہے کہ ایسی ایک جماعت اور تنظیم موجود تو ہے ۔

احمد شاہ احمد زئی نے یہ تفصیل سنی تو دلچسپی کا اظہار کیا کہ میں اس تنظیم کے امیر سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں چنانچہ پھر ان سے میری ملاقات میجر امین منہاس صاحب کے جو اس رمضان المبارک میں PTN پر اپنے تعارف قرآن کے روزانہ پروگرام کی وجہ سے کافی معروف ہوگئے ہیں ' مکان پر اسلام آباد میں ہوئی ۔ میں نے ان سے وہاں ایک بات کہی تھی ۔ اس وقت تک آثار پیدا ہوچکے تھے کہ روس واپس چلا جائے گا اور افغانستان کی صورت حال تبدیل ہوگی میں نے عرض کیا کہ میرا ذاتی مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگ ظاہر شاہ کو قبول کرلیں اور اسی کو واپس لے آئیں ۔ اس پر وہ ایک دم چونک سے گئے کہ کیا بات کررہے ہو ' ! میں نے کہا مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ کو میری بات بہت ہی نامعقول اور غیر منطقی محسوس ہوگی لیکن میری بات سن ضرور لیجئے ۔ مجھے کوئی حق تو نہیں کہ آپ کو مشورہ دوں اور میں اس بات کا دعویدار بھی نہیں ہوں کہ افغانستان کے پورے حالات سے واقف ہوں ۔ کہ آپ کے لئے راستہ یہی کھلا ہے کہ آپ ظاہر شاہ کو قبول کر لیں ۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ بات اتنی نا قابل قبول ہے کہ میں نے اپنی کسی تقریر میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ' خالص نجی ملاقات میں ان سے یہ بات کہی تھی اور اس کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ افغانستان نسلی ' لسانی اور مذہبی اعتبار سے منقسم ہونے کے علاوہ بنیادی طور پر ایک قبائلی معاشرہ ہے ۔ اس قبائلی معاشرے میں کچھ عرصے سے ایک بادشاہت چلی آرہی تھی تو گویا مختلف طبقات کو مختلف اعتبارات سے وہ بادشاہت قابل قبول تھی ۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب داؤد نے ظاہر شاہ کو تخت سے اتارا اور اس کے ساتھ ہی گاڑی پٹڑی سے اتر گئی' قتل در قتل کے معاملات ہوئے اور پھر روسی افواج آگئیں ۔

اب پھر اگر صورت حال یہ ہو کہ روسی افواج واپس چلی جائیں اور بات وہیں پہنچ جائے جہاں سے شروع ہوئی تھی تو گاڑی جس جگہ پٹڑی سے اتری ' وہیں سے اسے دوبارہ پٹڑی پر ڈالنا ہوگا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اصل میں جہاد کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ پہلے دعوت دی جائے ' لوگوں کو دین کی طرف بلایا جائے اور ان کے ذہنوں میں تبدیلی آئے ۔ آخر آپ ہی کا معاشرہ تھا جہاں یہ کیمونسٹ بھی پیدا ہوگئے ۔ یہ خلق پارٹی یا پرچم پارٹی کہیں باہر سے تو نہیں آئی ' یہ لوگ بھی افغان ہیں ' انہوں نے بھی افغان ماؤں کا دودھ پیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فکری اعتبار سے ہم اسلام کو اس طرح پیش نہیں کرسکے جو ان لوگوں کے اطمینان کا باعث بن سکتا جنہوں نے کیمونزم کو اختیار کیا ہے ۔ اب چونکہ آپ نے بڑی جانی قربانیاں دی ہیں اس لئے آپ اس پوزیشن میں ہیں اور آپ کے لئے بہت اچھا موقعہ ہوگا جو کمی دعوت میں رہ گئی ہے ' از سر نو اس کی تلافی کی جائے ۔ اس میدان میں اب ہمت سے کام لیجئے اور اپنے ہم وطنوں کی ذہنی ' فکری ' قلبی اور روحانی تبدیلی کی کوششیں کیجئے جس سے اس معاشرے کے اندر تدریجا انقلاب آئے گا اور وہی صحیح انقلاب ہوگا ' پائیدار ہوگا اور پختہ بھی کیونکہ لوگوں کے قلوب و اذہان کے اندر اس کی جڑیں ہونگی ۔

میرے نزدیک انقلاب اسی طرح آسکتا ہے ورنہ جو یہ صورت بنی کہ ایک حادثہ پیش آگیا ' ایک حملہ آور آگیا اور اس کے مقابلے میں دفاع کرنے کے لئے افغان قوم کھڑی ہوگئی تو اگرچہ یہ بھی یقینا ایک جائز جنگ ہے اور جنہوں نے اس میں جانیں دی ہیں انہوں نے یقینا جام شہادت نوش کیا کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو مسلمان اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے ۔ تو مال سے آزادی اور حریت کہیں زیادہ قیمتی متاع ہے ۔ گویا اپنی آزادی اور حریت کے لئے جنہوں نے جانیں دی ہیں وہ یقینا شہید ہیں ۔ تاہم اسلامی انقلاب کے لئے دعوت کا مرحلہ طے نہیں ہوا ۔ خالص اسلامی انقلاب اور جہاد فی سبیل اللہ جو اسلامی ریاست قائم کرنے کے لئے ضروری تھے ' یہ جہاد اس مرحلے سے نہیں گزرا ۔ چنانچہ اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ جنگ ختم ہو اور افغان اپنی

پہلی حالت میں واپس پہنچ جائیں تو آپ اپنی پوری مساعی کو دعوت، تبلیغ اور ذہنی و فکری انقلاب کے کام میں صرف کریں۔ پھر صحیح اور پائیدار انقلاب کی بنیاد پڑے گی اور اس کی تکمیل پر صحیح اسلامی ریاست قائم ہوگی۔

میں نے احمد شاہ احمد زئی سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو بڑی طویل خانہ جنگی ہوگی اور آخر کار افغانستان کی تقسیم ہوجائے گی۔ میں افسوس کے ساتھ ذکر کررہا ہوں کہ یہی دو باتیں حالات و واقعات بن کر آج نوشتہ دیوار کی طرح سامنے آگئی ہیں۔ میں نے تو کہا تھا کہ یہ دو باتیں اپنی طرف سے نصیحت کے طور پر کہہ رہا ہوں اور ان کے لئے کوئی زیادہ دلائل میرے پاس نہیں ہیں لیکن افسوس کہ حالات اب خود سامنے آتے جارہے ہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ میری رائے کو رد کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے، ہم نے اتنی قربانیاں دی ہیں، ظاہر شاہ وہاں جا کر بیٹھ گیا اور اس نے تو وہاں عیش کی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ سب باتیں تو میرے علم میں بھی ہیں، اس کے باوجود میں نے رائے آپ کو دے دی۔ ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔ ایک سال بعد پھر ان سے ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات ان کے "ایوان صدر" میں ہوئی۔ میں اپنے درس قرآن کے سلسلوں میں سے کسی ایک کے لئے گیا تھا اور پشاور میں جہاں ٹھہرا، معلوم ہوا کہ وہاں سے قریب ہی ان کی رہائش ہے۔ وہ مجاہدین کی عبوری حکومت کے صدر تھے اور اسی لئے ان کی رہائش گاہ کو میں نے ایوان صدر کہا۔ میں وہاں بھی ان سے ملاقات کے لئے گیا اور سب روایتی شان و شوکت کے ظاہری سامان اور سارے حفاظتی اقدامات دیکھے۔

کئی مراحل سے گزر کر جب میں ان سے ملا تو میں نے دیکھا کہ سر پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے۔ چونکہ بہت بے تکلف آدمی ہیں، بہت شریف ہیں اور سچے مسلمان بھی لہٰذا انہوں نے مجھے صاف صاف بتا دیا کہ ایک تو جب مجھے صدر بنایا گیا تو میں نے کہا کہ کچھ فنڈز بھی تفویض کئے جائیں تاکہ میں اپنا سیکرٹریٹ بناؤں اور لوگوں کو یہاں پر رکھوں تو اس پر گلبدین حکمت یار صاحب نے کہا کہ کیا تم واقعی اپنے آپ کو صدر سمجھ بیٹھے ہو! چنانچہ پہلی بات تو مجھے یہ معلوم ہوئی کہ یہ سب دکھاوے کے لئے ہے، کوئی عبوری حکومت موجود نہیں اور یہ اتحاد بھی جو بنتے رہے ہیں وہ بھی محض دنیا کو دکھانے کے لئے تھے۔ دوسری بات جو نہایت تکلیف دہ ہے، یہ ہوئی کہ انہوں نے افغانستان کی عبوری حکومت کے صدر کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ایک خط لکھا لیکن ان کا خط ابھی راستے ہی میں تھا کہ مختلف افغان گروہوں کی طرف سے چھ خط اور روانہ ہو گئے کہ جو خط اس شخص نے لکھا ہے، وہ اس کی ذاتی رائے ہے جس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

انتشار کا یہ عالم تھا! بہرحال میں نے پھر کہا کہ میں تو اپنی وہی بات آپ کے سامنے دہرا رہا ہوں۔ اس انتشار کے ساتھ اگر کہیں کامیابی حاصل ہو بھی جائے تو اس کا نتیجہ خانہ جنگی ہوگا۔ آج بدقسمتی سے یہ دونوں نتیجے توشتہ دیوار نظر آرہے ہیں اور میں نے یہ ساری بات آج اس لئے طشت از بام کی ہے کہ میں پھر ایک مشورہ علی الاعلان اور علیٰ رؤس الاشہاد دینا چاہتا ہوں جس کے برعکس مشورہ دینے والی قوت یعنی جماعت اسلامی ہے۔ اس کا ذرائع ابلاغ میں اثر و رسوخ ہے اور قاضی حسین احمد صاحب کے بیانات جس طرح نمایاں ہو کر پریس میں شائع ہوجاتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ پریس ہمیں تو اتنی اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن "شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات" کے مصداق کسی کے دل میں میرا مشورہ اتر

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک انقلاب کا طریقہ

اقتباس از "تحریک شیخ الہندؒ" تالیف مولانا سیّد محمّد میاںؒ

(شائع کردہ: مکتبہ محمودیہ بیت الحمد، جامعہ مدنیہ، کریم پارک - لاہور)

حضرت شاہ صاحبؒ عدم تشدد اور اہنسا کے قائل نہیں تھے۔ وہ فوجی قوت سے انقلاب کے حامی تھے مگر وہ فوجی قوت جس کی تربیت جہاد کے اصول پر ہوئی ہو جس کی حقیقت دشمن کشی اور غارت گری نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے محنت، جفاکشی، صبر و استقلال، ایثار اور قربانی یعنی اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کر کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنالینا پھر اس مقصد کے لیے اپنی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دینا۔

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

ایسا جہاد پیشہ ور سپاہیوں کی فوجوں سے نہیں ہوتا بلکہ ان رضا کاروں کے ذریعہ ہوسکتا ہے جن کی تربیت خاص طور پر کی گئی ہو جو نصب العین کو سمجھیں۔ نظریات کو اپنے جذبات بنالیں اور اصول کے سانچہ میں ان جذبات کو ڈھال لیں پھر ان کو کامیاب بنا لینے کے لیے اپنے آپ کو تج دینا، ان کی زندگی کا آخری اور محبوب ترین مقصود ہوجائے۔

جائے۔

میرا کہنا یہ ہے کہ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے ۔ یہ ٹھیٹھ اسلامی حکومت کی بات نہیں' کیونکہ اگر جہاد کا مقصود اسلامی ریاست تھی تو یہ بات پوری ہوتی نظر نہیں آرہی ۔ یہ بھی صحیح ہے کہ یہ اشتراک اقتدار ہے انتقال اقتدار نہیں لیکن اس سب کے باوجود جتنا بھی زور دے کر میں بات کہہ سکتا ہوں' کہہ رہا ہوں کہ صورت حال کو قبول کر لینا چاہیے اور تصادم کی حالت کو ہرگز برقرار نہیں رکھنا چاہیے ۔ بجائے خونریزی کے امن' یکجہتی' سلامتی اور افغانستان کی ملکی سالمیت کو اولیت دی جانی چاہیے ۔ امن ہوجائے تو آخر سب افغان ہیں جنہوں نے مسلمان ماؤں کا دودھ پیا ہوا ہے' آخر اپنی اصل کو کیسے فراموش کردیں گے۔ ایک وقتی اثر تو ہوتا ہے' اس وقت اور بات تھی جب روس سرحدوں پر کھڑا تھا۔ اب روس قصہ پارینہ بن چکا اور کمیونزم ایک ہاری ہوئی بازی ہے' ایک شکست خوردہ نظریہ ہے جس میں کوئی جان نہیں ۔ اب جو بھی وہاں ہیں ان کے مابین صلح و آشتی ہونی چاہیے ۔ اگر نجیب روسی دور کا نشان تھا تو وہ بھی ہٹ گیا' اب آپ کے رحم و کرم پر ہے ۔ اسے معاف کریں یا نہ کریں ۔ جیسا کہ مجددی صاحب نے کہا ہے کہ اس کا فیصلہ عوام کریں گے' میں نہیں کرسکتا۔ نواز شریف صاحب نے بھی سچ کہا ہے کیونکہ کوئی ایک شخص مجرم نہیں ہوا کرتا بلکہ اجتماعی جرم پوری قوم سے سرزد ہوتا ہے ۔ تمام جرنیل مجرم تھے' نجیب نے خود آخر کتنوں کو گولیاں ماری ہونگی ۔ اس کے جرنیلوں کے ذریعے ہی تو ہلاکت و خونریزی ہوئی' اگر باقی سب کے لئے عام معافی ہوسکتی ہے تو نجیب کو بھی علیحدہ کرنا ضروری نہیں ۔ بہرحال مجددی صاحب نے اچھی بات کہی ہے کہ اس کا فیصلہ عوام کریں گے ۔ یہی مصلحت پر مبنی ہے لیکن خانہ جنگی کی صورت باقی نہیں رہنی چاہیے ۔

میں تیسری مرتبہ ایک بات کہہ رہا ہوں ۔ اگرچہ لوگ سنتے نہیں لیکن ہمارا فرض ہے کہ صحیح بات کہتے رہیں ۔ گلبدین حکمت یار صاحب' عبدالرسول سیاف صاحب' مولانا یونس خالص صاحب اور مولانا جلال الدین حقانی صاحب' سب حضرات کو میرا مشورہ یہ ہے کہ اس وقت صلح حدیبیہ کے انداز میں اپنے اندر لچک پیدا کریں ۔ یہ خونریزی جاری رہی تو اب تک اس میں جہاد کا کوئی عنوان اگر موجود بھی تھا' تو رفتہ رفتہ ختم ہوجائے گا ۔ اب تو یہ خانہ جنگی ہوئی کیونکہ مقابلے میں اگر صبغت اللہ مجددی ہیں تو وہ بھی مجاہدین میں سے تھے ۔ اس اعتبار سے وہ عالمی تعاون باقی نہ رہے گا اور لوگوں کی ذہنی ہم آہنگی یا قلبی ہمدردیاں جو مجاہدین کے ساتھ تھیں' سب کی سب ختم ہوتی چلی جائیں گی بلکہ لوگ الٹا ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے ۔ وقتی طور پر کسی شکست کو قبول کرلینا کسی آخری فتح کا پیش خیمہ بن جایا کرتا ہے ۔ ہمارے سامنے سیرت نبویؐ کا صلح حدیبیہ والا واقعہ رہنا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس درجے لچک دکھائی اور کتنی غیر مساوی شرائط پر صلح کی کہ تمام صحابہؓ کا خون کھول اٹھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ جیسے جان نثار بھی ضبط نہ کرسکے اور جا کر ذرا اونچی آواز میں بات بھی کی جس پر پھر ساری عمر پچھتاتے رہے ۔ اگرچہ بات تو ایسی گستاخانہ نہیں تھی لیکن لہجہ ذرا سخت ہوگا۔ کہا تھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ہم حق پر نہیں ہیں' تو پھر کر صلح کیوں کررہے ہیں ؟۔ ہم حق پر ہیں تو ہمیں ڈٹے رہنا چاہیے ۔ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں' وہی کر رہا ہوں جو اللہ کا حکم ہے اور بات بس ختم ہوگئی ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اصرار نہیں کیا۔

کچھ ایسا ہی معاملہ حضرت علیؓ کا بھی ہوا۔ جب حضورؐ نے کہا کہ علیؓ! میرے نام کے ساتھ "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو تو انہوں نے انکار کردیا ۔ گویا حکم عدولی ہوئی لیکن یہ حمیت دینی کی وجہ سے تھی کہ آپؐ کے نام کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ میں کیسے مٹا دوں !۔ حضورؐ نے پوچھا' کہاں ہیں وہ الفاظ اور خود مٹادئے۔ پھر جب مسلمانوں سے کہا کہ مسلمانو! احرام کھول دو تو کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی کھڑے نہیں ہوئے۔ یہ تاریخ اسلامی کا حیران کن واقعہ ہے ۔ پھر خیمے میں جا کر حضورؐ نے زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی کہ میں نے تین دفعہ احرام کھول دینے کو کہا لیکن مسلمان کھڑے نہیں ہوئے۔ انہوں نے بڑی پیاری بات کہی ۔ "حضورؐ! آپ کسی سے کچھ نہ کہیے' بس اپنا احرام کھول دیجئے اور قربانی دے دیجئے"۔ حضورؐ نے یہ کہا تو گویا مسلمان منتظر بیٹھے ہوئے تھے ۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید اللہ کے رسولؐ ہمیں آزما رہے ہیں اور ہماری دینی حمیت کا امتحان لیا جارہا ہے۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ باہمی مفاہمت کی شکل پیدا ہو جائے اور پھر جو کمی رہ گئی ہے یعنی دعوت دین کا جو تقاضا پورا نہیں ہوسکا' اسے پورا کیا جائے ۔ لوگوں کو ذہنی اور قلبی طور پر مطمئن کیا جائے' فکری ہم آہنگی پیدا کی جائے' دینی جذبات کو ابھارا جائے اور اس کے نتیجے میں اصل جہاد ہو ۔ اصل جہاد تو فی سبیل اللہ ہوتا ہے اور اس میں قتال کا مرحلہ اسی وقت آتا ہے جب دعوت اس حد تک عام ہوچکی ہو جیسے حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا کہ کھلیان پورے طور پر صاف ہوچکا ہو۔ حضرت مسیحؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا تھا کہ جب وہ آئے گا تو کھلیان کو خوب صاف کرے گا۔ دعوت کا عمل جاری رہتا ہے تو رفتہ رفتہ از خود دو گروہ بن جاتے ہیں ۔ کوئی لسانی نسلی گروہ بندی باقی نہیں رہتی' ساری گروہ بندی اس پر ہوجاتی ہے کہ کون اللہ کے دین کے ساتھ ہے اور کون اس کا دشمن ہے ۔ جب تک یہ گروہ بندی انتہائی واضح نہ ہوجائے۔ اس وقت تک تلوار ہاتھ میں نہیں لی جاسکتی ۔ صورت حال گڈمڈ ہو اور یہ واضح نہ ہو کہ دین اصل میں کیا ہے اور سوشلزم سے کیسے مختلف ہے' اس وقت تک تلوار ہاتھ میں لینا انسانی جانوں کو ضائع کرنا ہے اور ابھی اس کا وقت نہیں آیا ۔ تلوار ہاتھ میں لینے کا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے ۔

یہی وجہ ہے کہ قتال کا یہ مرحلہ حیات طیبہ میں ہجرت کے بعد آیا اور ہجرت ہر صاحب ایمان پر فرض کردی گئی تھی تاکہ مکہ علیحدہ ہوجائے کہ دشمن یہ ہے اور ہر وہ شخص جو یہاں موجود ہے ۔ صلح حدیبیہ کے وقت اللہ نے سورۃ فتح میں حکمت بیان کی ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں فتح ہوگئی تھی لیکن ہم نے تمہارے ہاتھ روک دئے ان سے اور ان کے ہاتھ روک دئے تم سے ۔ ہم نے خود جنگ کو روکا ۔ اس لئے کہ ابھی مکے میں اہل ایمان بھی موجود تھے جو اس وقت تک ہجرت نہیں کرسکے تھے' اسی حالت میں جنگ ہوجاتی تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا کیونکہ اس کا اندیشہ موجود تھا کہ تم انہیں بھی کچل ڈالتے۔ لہٰذا ان مسلمانوں کا خیال کرکے ہم نے اس وقت جنگ کو روک دیا ہے۔ کس درجے حکمت ہے قرآن مجید کی اس

وضاحت میں!۔

اگرچہ قتال کا مرحلہ دعوت سے گزرنے کے بعد آتا ہے تاہم ہم نے افغانستان کی لڑائی کو اس لئے جہاد مانا کہ وہاں ایک غیر ملکی طاقت آگئی تھی ۔ روسی فوجیں آگئیں اور ایک دفاعی جنگ لڑنی پڑی جو جائز تھی اور جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا "من قتل دون مالہ فھو شہید" اگر آزادی کی حفاظت میں جانیں دی گئیں تو یہ شہادت تھی ۔ اب ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ کسی نہ کسی درجے میں فتح حاصل ہو گئی ہے نجیب اللہ کی حکومت ختم ہوئی ۔ پھر مجاہدین کی ایک کونسل بنی ہے اور اگرچہ در پردہ وہاں کی ملیشیا وغیرہ کا تعاون بھی اسے حاصل ہے۔ جو لوگ الزام دے رہے ہیں کہ اشتراک اقتدار ہوا ہے' وہ کسی درجے میں صحیح ہے ۔ لیکن فتح بہرحال ہوئی جس کو دنیا نے مانا ہے ۔ اس کے ساتھ دعا کریں کہ یہ حضرات امن کو اور افغانستان کی سالمیت کو اولیت دیں ۔ گلبدین حکمت یار صاحب' عبدالرب رسول سیاف صاحب' احمد شاہ احمد زئی صاحب' مولانا یونس خالص صاحب اور جلال الدین حقانی صاحب سب سے دست بستہ گزارش ہے کہ وہ جنگ بند کردیں' صلح کے ساتھ امن کی فضا قائم کریں اور اس فضا میں دعوت کا کام کریں ۔ دعوت کے مرحلے کے بعد جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ آتا ہے' جب اسلامی رشتہ تمام عصبیتوں سے بالاتر ہوچکا ہو تو قتال درست ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اسی دعوت کے نتیجے میں اور خاص طور پر ان قربانیوں کے طفیل جو بہت خلوص کے ساتھ دی گئیں' اپنے دین کو وہاں غالب کرے گا۔ افغانیوں کی قربانیاں تو تھیں ہی جن میں سے کچھ مجبوری کے تحت بھی ہوسکتی ہیں لیکن بہرصورت خلوص کے ساتھ بھی دی گئیں تاہم میرے نزدیک انتہائی پر خلوص قربانیاں ان ہزاروں لوگوں کی ہیں جو افغان نہیں تھے اور خالص دینی جذبے کے تحت آئے۔ کوئی سعودی عرب سے آیا' کوئی کویت سے' کوئی اردن سے' کوئی مصر سے' پھر بنگلہ دیش اور ملائشیا سے بھی مسلمان آئے ۔ پاکستان سے کتنے ہی لوگوں نے جا کر جام شہادت نوش کیا ۔ وہ افغان نہیں تھے اور کسی نسلی بنیاد پر نہیں گئے چنانچہ خون کا یہ سرمایہ رائیگاں جانے والی شے نہیں ۔ اس کے نتیجے میں وہاں اسلامی نظام قائم ہوگا' لازماً ہوگا اور پاکستان اور افغانستان ہی ان شاء اللہ مل کر خلافت کے عالمی نظام کی طرف پیش قدمی کریں گے لیکن اس وقت صلح حدیبیہ کے جذبے کے ساتھ جنگ اور خونریزی کی بجائے مصالحت کی روش اختیار کی جانی چاہیے اور امن و امان اور افغانستان کی سالمیت کو ہر شے سے بالا تر رکھا جانا چاہیے ۔ ایک شے عزت نفس بھی ہوتی ہے اور یہ عامل بھی کہ میری قربانیاں زیادہ ہیں لیکن ان سب سے بالا تر ہو کر دین کے لئے اور اسلام کے مستقبل کے لئے اپنی ذاتی انا کا ایثار کرنا پڑے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب سے بڑی قربانی ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان مجاہد بھائیوں کو توفیق دے جن کی نیت پر مجھے ہرگز کوئی شک نہیں' کہ وہ اس نازک مرحلے پر صحیح طرز عمل اختیار کرسکیں۔

—OO

"الغرض قرآن کے اصل حاصل ہیں ایمان اور یقین اور ان کا لازمی نتیجہ ہیں' جہاد اور قتال۔ ان میں سے ایمان و یقین اصلاً ایک معنوی حقیقت اور داخلی کیفیت کا نام ہیں' چنانچہ عالم خارجی میں اسلام کی دو عظیم ترین اور نمایاں ترین حقیقتیں ہیں قرآن اور جہاد ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں ایمان حقیقی کی مستقل علامتوں (Symbols) کی حیثیت رکھتے ہیں اور مرد مومن کی شخصیت کا جو ہیولیٰ تخیل اور تصور میں ابھرتا ہے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لازمی و لابدی ہیں!"

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور خلافت راشدہ کے دوران اسلام کی نشاۃ اولیٰ یا غلبہ دین حق کا دور اول بلا شائبہ ریب و شک نتیجہ تھا صحابہ کرامؓ کے تعلق قرآن اور جذبہ جہاد کا ۔ لیکن یہ بھی ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں کہ جیسے ہی اسلام نے ایک مملکت اور سلطنت کی صورت اختیار کی ان دونوں کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ۔ اور ایسا ہونا ایک حد تک منطقی اور فطری بھی تھا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو کسی مملکت یا سلطنت میں اولین و اہم ترین مسئلہ شہریت کا ہوتا ہے جو ایک خالص قانونی مسئلہ ہے جس میں تمام تر بحث انسان کے 'ظاہر' سے ہوتی ہے باطن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا گویا بقول علامہ اقبال ع بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا!"--- مزید برآں اس کا اصل موضوع نظم و نسق اور امن و امان کا ہوتا ہے جس کے اعتبار سے بنیادی اہمیت قانون اور ضابطے کو حاصل ہوتی ہے نہ مکارم اخلاق یا مواعظ حسنہ کو حتیٰ کہ اس اعتبار سے قصاص عفو پر مقدم ہوجاتا ہے --- اور دوسری طرف سلطنتوں اور مملکتوں کو' خواہ وہ اصولی اور نظریاتی ہی ہوں اصل سروکار اپنی حفاظت و مدافعت سے ہوتا ہے' اصولوں اور نظریات کی تبلیغ و اشاعت ہوتی بھی ہے تو ثانوی درجے میں اور حکومتوں کی مصلحتوں کے تابع رہ کر!"

("دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" سے ایک اقتباس)

پریس ریلیز

آئی۔جے آئی کی آئینی حیثیت ختم ہو گئی ہے

(امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان کا یہ خطاب عام اگلے شمارے میں دیکھئے)

لاہور: ۱۵ر مئی: اسلامی جمہوری اتحاد سے جماعت اسلامی کے علیحدہ ہوجانے کے بعد آئی جے آئی کی آئینی حیثیت ختم ہوگئی ہے اور اس کا عوامی مینڈیٹ جو پہلے ہی مشکوک تھا اب کالعدم ہوچکا ہے چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ فوری طور پر ایک بالکل غیر جانبدار انتظامیہ کے تحت نئے الیکشن کرائے جائیں۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے آج مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت کو جو عوامی مینڈیٹ حاصل ہوا وہ مسلم لیگ یا جماعت اسلامی کے نام پر نہیں بلکہ آئی جے آئی کے نام پر ملا تھا لہٰذا جماعت اسلامی کے علیحدہ ہوجانے کے بعد آئی جے آئی کی آئینی حیثیت باقی نہیں رہی اور اب وہ عملاً کالعدم ہوچکی ہے۔ گذشتہ انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اس سے قطع نظر کہ دھاندلی کے الزامات درست تھے یا غلط' یہ امر واقعہ ہے کہ اس موقع پر جو عبوری حکومت بنائی گئی اس میں صرف ایک مخصوص سیاسی پارٹی کے لوگوں کو شامل رکھا گیا تھا گویا بر سر اقتدار پارٹی خود انتخابات میں ایک فریق کی حیثیت رکھتی تھی اور اس اعتبار سے گذشتہ انتخابات کی حیثیت یقیناً مشکوک تھی۔ آئندہ انتخابات کے لئے جو عبوری حکومت تشکیل دی جائے وہ بالکل غیر جانبدار ہونی چاہیے اور اس معاملے میں مروجہ اصولوں کے مطابق ریٹائرڈ چیف جسٹس صاحبان کی اور فوج کے ان ریٹائرڈ اعلیٰ افسروں کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں جن کی وابستگیاں کسی سیاسی جماعت کے ساتھ نہ ہوں۔

افغانستان کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ گلبدین حکمت یار کا حالیہ بیان نہایت خوش آئند ہے کہ ہم جنگ کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے عوامی قوت کا سہارا لیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ روسیوں کے افغانستان سے نکل جانے کے بعد جنگ بند ہوجانی چاہیے تھی اور افغانستان کا مسئلہ باہم گفت وشنید اور مذاکرات کے ذریعے طے ہونا چاہیے تھا۔ البتہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے تو دعوت کے مرحلے کو طے کئے بغیر اور اتمام حجت کے درجے تک اسلام کا مکمل پیغام پہنچائے بغیر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں ہے۔ افغانستان میں مجاہدین کے جو گروپ واقعۃً اسلامی نظام کے قیام کے خواہش مند ہیں انہیں چاہیے کہ اس نہج پر کام کریں اور اسلامی انقلاب کے لئے اپنی دعوتی سرگرمیوں کو تیز کریں۔

ہندوستان کے اندرونی خلفشار کا ذکر کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ وقتی طور پر پاکستان کے اعتبار سے یہ چیز خوش آئند ہے اور بالخصوص بی۔جے۔پی کی عوامی قوت کا بعض صوبوں میں اقتدار میں آکر کمزور پڑ جانا مسلمانوں کے نقطہ نگاہ سے مثبت اثرات کا حامل ہے لیکن جب تک ہم اپنے اندرونی حالات کو درست نہیں کریں گے اس وقت تک بحیثیت مجموعی حالات کے سدھرنے کا کوئی امکان نہیں --- پاکستان کے اندرونی حالات پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ حالات میں بہتری کے کوئی آثار نظر نہیں آتے بلکہ حالات کی سنگینی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ سندھ کے مخدوش حالات تو جوں کے توں ہیں ہی' بلوچستان میں پختون بلوچ مسئلہ بھی نہایت شدت اختیار کر گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ علاقائی عصبیتوں کو ختم کرنے یا ان کے زہر کو بے اثر بنانے کا واحد علاج حقیقی اسلامی نظام کے قیام میں مضمر ہے۔ قیام پاکستان کے وقت ہندو کے مقابلے میں اسلام کا محض نعرہ بھی موثر ہوگیا تھا لیکن اب

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

'خبر کشائی'

میم سین

☆ امن کے لئے خلافت راشدہ ورلڈ آرڈر کا نفاذ ضروری ہے۔ افغان مجاہدین کے رہنماؤں کی اکثریت نے دارلعلوم اکوڑہ خٹک میں تعلیم حاصل کی ہے (مولانا اعظم طارق)

○ آپ کی پہلی بات سے تو ہمیں بھی اتفاق ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ "بغیاً بینھم" کا رویہ ترک کیا جائے۔

☆ تخریب کاروں کو لگام نہ دی گئی تو سندھ میں ٹرین سروس بند کردیں گے۔ (حاجی غلام احمد بلور)

○ حکومت پاکستان کی طرف سے حاجی صاحب کو حسن کارکردگی کا ایوارڈ دیا جانا چاہیے۔

☆ مصطفوی انقلاب کے لئے موجودہ انتخابی نظام کو بدلنا ہوگا (پروفیسر طاہر القادری)

○ لیکن محترم آپ تو اسی نظام کو عملی طور پر قبول کرچکے ہیں۔

☆ صاف ستھرا مواد فراہم کرنا آزاد اخبار کی ذمہ داری ہے (عدالت میں انگریزی اخبار کا موقف)

○ جبھی ہفتے میں تین چار دن عوام کے لئے رنگ برنگی نیم عریاں اور فحش تصاویر شائع کرنا تقریباً ہر اخبار کے لئے ضروری ہوگیا ہے۔ "اے ایمان والو تم وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں" (القرآن)

حکمرانوں کے سیاہ کارنامے

.... اور جماعت اسلامی سے کوری امید

(حکمران پارٹی سے علیحدگی کے بعد جماعت اسلامی کے ترجمان' ہفت روزہ "ایشیا" لاہور کا پہلا اداریہ)

جماعت اسلامی پاکستان نے ۱۹۹۰ء کے انتخاب میں اسلامی جمہوری اتحاد کے منشور کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا اور ایک بھرپور انتخابی مہم کے ذریعے بڑے پیمانے پر اسلامی جمہوری اتحاد کے امید واروں کو کامیابی دلائی ۔ اس انتخابی کامیابی کے نتیجے میں جو حکومت قائم ہوئی اس سے وزارتیں طلب کرنے کی بجائے ہم نے پہلے روز سے ہی اتحاد کے منشور پر عمل درآمد کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا لیکن میاں نواز شریف کی حکومت نے تحریک اسلامی کے پر خلوص تعاون اور عوامی جذبات و احساسات کی کوئی پرواہ کئے بغیر اتحاد کے منشور کے برعکس پالیسیاں اختیار کرنا شروع کیں جن کا ایک مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

شریعت کی بالادستی کے حوالہ سے اتحاد کے منشور میں کہا گیا تھا کہ

"ہم خدا کو حاضر ناظر جان کر عوام سے صدق دل سے عہد کرتے ہیں کہ ہم قرآن و سنت کی بالادستی کے قیام' عوام کے حقوق کے تحفظ اور عدل کی حاکمیت کے لئے مسلسل جدوجہد کریں گے"۔
(منشور اتحاد دفعہ نمبر۱)

جماعت اسلامی پاکستان نے دسمبر ۱۹۹۱ء میں منشور پر عمل درآمد کے لئے جو ترجیحات پیش کی تھیں' ان میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ نئی پارلیمنٹ کو شریعت بل منظور کرنے کو اولیت دینی چاہیے ۔ سینیٹ اس بل کو متفقہ طور پر منظور کرچکی ہے ۔ اب اس بل کو فوری طور پر دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں منظور کرایا جائے۔ چونکہ اس وقت اسلامی جمہوری اتحاد کو مرکزی اسمبلی اور سینیٹ میں دو تہائی اکثریت حاصل ہے اس لئے شریعت بل کے پیغام کو مزید مستحکم کرنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے مطابق دستور کی دفعہ ۲ اے میں ترمیم کرکے واضح کیا جائے کہ "قرآن و سنت ملک کا بالا تر قانون ہے "۔ ارباب حکومت کو عدالتی احتساب سے بالادستی کا جو دستوری تحفظ حاصل ہے اسے بھی شریعت کے احکام کی روشنی میں تبدیل کیا جانا چاہیے۔

میاں نواز شریف نے ۱۰ر نومبر کو حلف اٹھانے کے بعد بطور وزیراعظم پہلی بار ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا تو انہوں نے شریعت کی بالادستی کا وعدہ ہی فراموش کر دیا ۔ پون گھنٹے کی نشری تقریر میں انہوں نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ ان کی اولین ترجیح شریعت اسلامی کی بالادستی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اول روز سے جماعت اسلامی اور اس کے امیر سینیٹر قاضی حسین احمد نے ان امور کی طرف توجہ دلانا شروع کی تو اس کے جواب میں آج وزیراعظم نے گلہ کیا ہے کہ ہماری حکومت کے قائم ہوئے دو روز بھی نہیں گزرے تھے کہ قاضی صاحب نے تنقید شروع کردی تھی۔

۱۱ر تا ۱۴ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں ایک مبسوط قرار داد کی شکل میں موجود حکومت کے لائحہ عمل کے طور پر ایک ایکشن پلان مرتب کیا گیا جس میں تجویز کیا گیا کہ ۔

۱۔ اسلامی جمہوری اتحاد کو منظم ' متحرک اور فعال بنایا جائے۔

۲۔ شریعت بل کو بلا تاخیر پارلیمنٹ سے منظور کروایا جائے۔

۳۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو روبعمل لایا جائے ۔

۴۔ فیڈرل شریعت کورٹ کو موثر بنانے کے لئے دستور میں ترمیم کی جائے۔

۵۔ ابلاغ عامہ کے اداروں سے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام لیا جائے۔

۶۔ کرپٹ ' بدعنوان اور تخریب کاری کے مجرموں کو سخت سزائیں دی جائیں۔

۷۔ اسلام کی بنیاد پر تعلیمی نظام کی تشکیل نو کی جائے۔

۸۔ ایٹمی پروگرام کو کسی قیمت پر بیرونی کنٹرول میں نہ دیا جائے۔

۹۔ مسئلہ کشمیر' کویت' فلسطین اور افغانستان کے فوری حل پر بھرپور توجہ دی جائے۔

۱۰۔ بے روزگاروں کو روزگار اور خواتین کو اسلامی حقوق دلائے جائیں۔

محترم امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد نے مرکزی مجلس شوریٰ کے دئے گئے فریم ورک میں جلسوں اور جلوسوں میں بھی اور میاں نواز شریف سے ملاقات میں بھی اتحاد کے منشور پر عمل درامد کے لئے زور دیتے رہے لیکن وزیراعظم نے اسلامی جمہوری اتحاد کو منظم اور متحرک کرنے کی بجائے ہمیشہ اسے آکسیجن ٹینٹ ہی میں رکھا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے محترم

پروفیسر غفور احمد نے اتحاد کی سیکرٹری جنرل شپ سے استعفیٰ دیا تو ان کی شکایات دور کرنے کے لئے بھی کوئی سرگرمی نہ دکھائی گئی۔

شریعت بل کو سیکولر اور لادین طبقوں کے لئے قابل قبول بنانے کے لئے اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا اور اس وعدے کے ساتھ پارلیمنٹ سے منظوری حاصل کی کہ شریعت اسلامی کو سپریم لاء قرار دینے کا بل پارلیمنٹ سے الگ سے منظور کروایا جائے گا۔ لیکن ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے کئے گئے وعدے کو پورا کرنے کی بجائے یہ بل اسمبلی میں ایجنڈے پر رکھ کر واپس لے لیا گیا۔ حکمرانوں نے نہ ہی اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل کیا اور نہ ہی فیڈرل شریعت کورٹ کو موثر ادارہ بنایا حتی کہ نومبر۱۹۹۱ء میں وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے سود کی حرمت کے قطعی فیصلے اور ۳۰ر جون ۹۲ء تک تمام مالیاتی امور میں سے سود کے مکمل خاتمے کے حکم کو ٹالنے کے لئے بہانے تراشے' وزراء سے سود کے حق میں بیان دلائے گئے اور اس دوران عوام کی سہولت کے لئے جو اسکیمیں مرتب کی گئیں ان میں بھاری شرح سود پر قرضوں کی فراہمی کا اعلان کیا گیا۔

نواز شریف حکومت نے اتحاد کے منشور کے مطابق نہ ہی تعلیمی نظام اور نہ ہی ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی بلکہ ان میں پہلے سے بھی زیادہ بگاڑ پیدا کیا گیا۔

ایٹمی پروگرام کے مسئلہ پر حکمرانوں سے جس قومی خود داری اور ملی غیرت کے اظہار کی توقع تھی اس کے برعکس اس پروگرام کو امریکی دباؤ کے تحت منجمد کردیا گیا۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے تیسرے آپشن کی بات کئی بار دہرائی گئی' فلسطین کی آزادی کے متوالوں کی حمایت کی بجائے امریکہ میں پاکستان کی سفیر سیدہ عابدہ حسین سے اسرائیل کو تسلیم کر لینے کا شوشہ بتکرار سامنے لایا گیا۔ افغانستان کے مسئلہ کو افغان مجاہدین کی امنگوں اور آرزوؤں کے مطابق حل کرنے کی بجائے عین آخری لمحے پر اسے مزید الجھا دیا گیا۔ آئی جے آئی کے منشور اور انتخابی وعدوں کے ساتھ حکمرانوں کا یہ سلوک دیکھ کر جماعت اسلامی کے لئے ان سے لاتعلقی کا اعلان کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ ہر اس شہری کو جس نے اتحاد کے منشور سے اتفاق کرتے ہوئے اتحاد کا ساتھ دیا تھا اس فیصلے سے کلی اتفاق ہے لیکن اس فیصلے کے اعلان کے بعد جو سرکاری رد عمل کورس کی شکل میں سامنے آیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ ع

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

(اور اب پڑھئے ہفت روزہ "تکبیر" کراچی کا ایک شذرہ جس کا عنوان ہے "قاضی صاحب' آپ سے توقع.....!")

۳ر مئی کو ہماری قومی اسمبلی کے اجلاس میں موجود تمام ارکان نے اتفاق رائے سے اپنے افلاس فکر و کردار کا متفقہ مظاہرہ اس طرح کیا کہ ایوان کو حمام بنا کر بلا امتیاز سب اس میں ننگے ہوگئے اور اسمبلی کی رکنیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر بلا اختلاف مکمل اتفاق رائے سے ایسے چھ بل محض دو گھنٹے میں منظور کر ڈالے' جس میں منتخب حکومتوں کے منصب داروں' منتخب ایوانوں کے اعلیٰ حکام اور منتخب نمائندوں کے لئے بعض ناجائز مراعات کی منظوری بھی شامل تھی۔ مسلم لیگ اور پیپلزپارٹی کے تنظیمی اور پارٹی کردار سے تو اہل وطن واقف ہیں' ان کے اس غیر اخلاقی رو ے پر ہمیں اتنی حیرت نہیں ہوئی' جتنا صدمہ ہمیں اس اطلاع پر ہوا کہ ناجائز مراعات کی اس تائید عام میں جماعت اسلامی کے تین منتخب ارکان جناب انواز الحق راے' جناب جاوید اقبال چیمہ اور جناب نذیر ورک کی تائید بھی شامل تھی۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں' ہماری نظر میں یہ بہت بڑا اخلاقی المیہ ہے۔ اخلاقی المیہ انسانی المیہ سے کہیں بڑا ہوتا ہے۔ انسان کی موت ہی کیسی دردناک ہوتی ہے' لیکن کسی تنظیم' جماعت طبقے یا قوم کا کریکٹر مرتا دکھائی دے' تو درد کی انتہا نہ پوچھئے۔ جماعت اسلامی پر ہم تنقید بھی کرتے ہیں' مگر جماعت اسلامی کو ہم بہت بڑا اخلاقی سہارا بھی سمجھتے ہیں۔ جماعت اسلامی ہی سے اپنی امیدوں کا گلستان پر بہار محسوس کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی زیادہ منظم ہے' اس لئے اس سے امیدیں بھی زیادہ ہیں اور وہ زیادہ عزیز بھی ہے' ورنہ ہمارا نفسیاتی سہارا تمام ہی وہ جماعتیں اور افراد ہیں' جو دین کے نام لیوا ہیں اور دین و سیاست کی تمیز مٹا کر دین کے غلبے کے لئے سیاست کے میدان میں کار گزار ہیں۔ ہمیں لادینی سیاست کرنے والی پارٹیوں میں اخلاقی کمزوریاں نظر آئیں' تو ضعف محسوس نہیں ہوتا' آس نہیں ٹوٹتی' مایوسی نہیں ہوتی' ہاں ملال ضرور ہوتا ہے' مگر دینی جماعتوں میں اخلاقی کمزوری نظر آئے' تو دنیا اندھیر دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے ارکان کی یہ کار گزاری دیکھ کر پاکستان کے افق پر ہمیں مکمل اندھیرا نظر آیا۔ ایسا گھور اندھیرا' جو سحر کی کسی کرن کی نوید نہیں دیتا۔ ظلمت آشوب کا ایسا مکروہ اندھیرا' جو آس کے ہر امکان کو نگل لیتا ہے۔

ہم سوچتے رہے کہ کسی بھی مشین میں کسی پرزے کی خرابی سے گڑبڑ ہوجاتی ہے' تو پرزہ نکال کر پھینک دیا جاتا ہے' پوری مشین کو پرزے کی خرابی سے بچا لیا جاتا ہے۔ کسی نظام میں کسی اتفاقی حادثے سے بھی کوئی خلل پڑتا نظر آئے تو نظام کو درست طور پر چلانے والا خود کو الگ کر کے نظام کو خرابی کے الزام سے بری الذمہ کردیتا ہے۔ نہرو کے دور اقتدار میں لال بہادر شاستری وزیر ریلوے تھے۔ ریلوے کا ایک حادثہ ہوا۔ انہوں نے استعفیٰ دے کر بھارتی جمہوریت کے اخلاقی امیج کو پوری دنیا کی نظر میں پرشکوہ کردیا۔ اگرچہ لال بہادر شاستری خود ذاتی طور پر حادثے کے ذمہ دار نہیں تھے' مگر ان کے استعفے سے دنیا نے یہ تاثر لیا کہ بھارت کے سیاسی نظام میں اہل انتظام کا احساس ذمہ داری بالغ و توانا ہوچکا ہے۔

۳ر مئی کے اسمبلی والے اس المیہ کی رونمائی کے بعد' ہمیں مثبت رد عمل کی سب سے زیادہ امید جماعت اسلامی سے تھی' ہم پر یقین تھے کہ پرزوں کی خرابی ہے' تو پرزے نکال باہر کئے جائیں گے اور اگر جماعت کے تنظیمی نظام' احتسابی نظام یا تربیتی نظام میں کہیں کسی خرابی کا احساس ہوا تو ان تمام امور کا ذمہ دار فرد اپنی ذمہ داری قبول کر کے اپنے استعفے کے ذریعے جماعت کا امیج بلند کردے گا' مگر اس المیہ کے سلسلے میں رد عمل کی ترتیب یہ رہی کہ اس کار گزاری سے پہلا کھلا اعلان برات اور اس فیصلے کو بدلنے کے عزم کا اظہار وزیراعظم نواز شریف صاحب نے کیا۔ پھر قائد حزب اختلاف اور پیپلزپارٹی کی سربراہ بیگم بے نظیر نے کہا کہ صدر' وزیراعظم اور اسپیکر کو ملنے والی مراعات واپس ہونا چاہئیں اور قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت اسلامی نے بھی اگرچہ یہ کہا کہ ارکان پارلیمنٹ کی اضافی مراعات واپس لی جائیں' مگر جماعت اسلامی کے ترجمان اخبار روزنامہ جسارت کراچی میں ان کا جو بیان شائع ہوا

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ پریس ریلیز

یہ ہتھیار کار گر ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ملکی حالات میں مثبت اور پائیدار تبدیلی مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

دینی سیاسی جماعتوں کے کردار پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حالیہ واقعات سے یہ بات مزید مبرہن ہوگئی ہے کہ غلبہ دین کی منزل پاور پالیٹکس میں شریک ہو کر سر نہیں کی جاسکتی۔ وہ دینی جماعتیں جو اسلامی انقلاب کو اپنی منزل قرار دیتی ہیں لیکن عملاً ملکی انتخابی سیاست میں شریک ہو کر اور کبھی کسی ایک بڑی سیکولر جماعت کی پاسنگ بن کر اور کبھی کسی دوسری سیکولر جماعت کے پلڑے میں اپنا وزن ڈال کر غلبہ اسلام کا ہدف حاصل کرنا چاہتی ہیں وہ در حقیقت اس طرح کی سیاسی قلابازیوں میں اپنا وقت ضائع کر رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ واقعات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہماری سیکولر سیاسی جماعتوں میں، خواہ وہ پیپلزپارٹی ہو یا مسلم لیگ، نوعیت کے اعتبار سے کوئی بڑا فرق موجود نہیں ہے دونوں طرف سرمایہ دار جاگیردار طبقہ ہی فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی تین آیات کے حوالے سے جن میں اقامت دین کی فرضیت اور اس کے عملی تقاضوں کا ذکر نہایت جامعیت کے ساتھ آیا ہے، امیر تنظیم اسلامی نے واضح کیا کہ اقامت دین کی جدوجہد ہرگز کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس میں بڑی مستقل مزاجی اور استقامت کی ضرورت ہے۔ مراعات یافتہ طبقات اور وہ دینی جماعتیں جو فرقہ واریت کی بنیاد پر قائم ہیں اقامت دین کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوں گی۔ لہٰذا دینی جماعتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ فرقہ واریت سے کامل اجتناب کرتے ہوئے اور پاور پالیٹکس سے خود کو بالکل علیحدہ رکھتے ہوئے مثبت طور پر اقامت دین کے لئے کام کریں اور دین کی دعوت کو موثر انداز میں پیش کریں اس لئے کہ دعوت دین کا کام ابھی تک ہمارے معاشرے میں صحیح نہج پر اور مطلوبہ حد تک نہیں ہو سکتا ہے جس کی ایک بڑی مثال یہ ہے کہ دیت کے قانون کو ہمارے عوام نے بھی قبول نہیں کیا اور اس قانون کی دھجیاں ہمارے ملک میں بکھیری گئیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ سیاسی قلابازیوں کے باعث عوام میں دینی جماعتوں پر سے اعتماد سے اٹھ چکا ہے۔ اس اعتماد کو بحال کرنے میں کئی برس لگیں گے اور اس عرصے میں ان جماعتوں کو اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان کے پیش نظر نہ تو سیاسی مفادات کا حصول ہے نہ وہ فرقہ واریت کی دلدل میں گرفتار ہیں۔ دعوت و تنظیم کے ابتدائی مرحلوں کی تکمیل کے بعد ضروری ہوگا کہ یہ دینی جماعتیں ایک قیادت کے تحت پریشر گروپ کی صورت اختیار کریں اور مار کٹائی اور توڑ پھوڑ سے اجتناب کرتے ہوئے خود اپنی قربانیاں پیش کر کے نظام باطل کا تختہ الٹ دیں۔ دور حاضر میں اسلامی نظام کے یا اسلامی انقلاب کے قیام کا یہی ایک طریقہ ہے جس کی ایک درجے میں مثال ایرانیوں نے قائم کر کے دکھا دی ہے۔ دینی جماعتیں اگر اس راستے کو اختیار نہیں کریں گی تو سیاست کی خار دار وادی میں بھٹکتے پھرنا ہی ان کا مقدر ہوگا۔○○

بقیہ تجزیہ

دروازے بھی کھلتے نظر نہیں آرہے ہیں۔ بجٹ کے سلسلہ میں تعجب انگیز چیز یہ رہی ہے کہ حکومت نے ایک پریس ریلیز کے ذریعے ترقیاتی اخراجات میں تخفیف اور ٹیکسوں کے بارے میں بجٹ فیصلوں کی تبدیلی کا اعلان جاری کیا۔ راتوں رات اس طرح بجٹ تبدیل کرنے کا یہ پہلا واقعہ ہے اور اس سے بھی حکومت کے اندرونی خلفشار کا حال ظاہر ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے ترقیاتی اخراجات بجٹ کا چالیس فی صد ہوتے تھے، موجودہ بجٹ میں یہ پچیس فی صد تھے اور پریس ریلیز کے ذریعہ ترقیاتی اخراجات کو بجٹ کا ۲۳٫۵ فی صد کردیا گیا۔

نئے بجٹ سے اگر کوئی چیز ظاہر ہوتی ہے تو یہ کہ حالات جس رخ پر بہہ رہے ہیں، بہاؤ اسی طرف رہے گا اور اس بہاؤ میں تبدیلی کے لئے حکومت کے پاس نہ کوئی پروگرام ہے نہ طاقت اور جب تک سیاسی عدم استحکام کی صورت حال باقی رہے گی، حکومت بھی خواہ کسی کی ہو ڈانوا ڈول رہے گی اور اس میں کوئی تبدیلی لانے کی اہلیت یا سکت نہیں ہوگی۔○○

بقیہ تراشے

ہے، اس میں ان کا لہجہ یہ ہے کہ یہ گویا سراسر حکومتی اقدام تھا، جس کی وہ مذمت کرتے ہیں۔ اس کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جماعت کی حد تک صرف اتنا کہا کہ جماعت کے ارکان پارلیمنٹ ان مراعات سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ انہوں نے اس بات کو بالکل نظر انداز کردیا کہ اس اقدام کی منظوری میں جماعت کے ارکان کیوں شریک ہوئے اور اگر ہوئے تو جماعت اسلامی کے امیر اور سینیٹر ہونے کے ناطے جماعت کی پارلیمانی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے ان کی کیا ذمہ داری ہے؟ کیا وہ اس پہلے بڑے اخلاقی المیہ کی رونمائی کی ذمہ داری قبول کر کے قیادت سے مستعفی ہو کر جماعت کی اخلاقی ساکھ بلند نہیں کر سکتے تھے؟۔

امیر جماعت کی اس کمزوری کے بعد، نظام حکومت کی کمزوریوں پر وزیروں سے استعفوں کے مطالبوں میں اخلاقی تاب و توانائی کیسے رہے گی؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شخصیات کا اخلاقی سطح پر احتساب جماعت کی فہرست ترجیحات میں کتنا نیچے چلا گیا ہے اور جب اخلاق و کردار کی مضبوطی کی اہمیت کا خیال نہ رہے، تو جماعتوں اور تحریکوں کے قدم ترقی کی طرف نہیں زوال کی طرف بڑھتے ہیں۔○○

بقیہ افتتاحیہ

اختیار اور دنیا پر ملکیت کا حق نہیں دیا، محض اپنی نیابت عطا کی تھی۔ ہمیں یہاں اپنی حکومت کا تخت جمانے یا "حاکمیت عوام" کے فریب کی بساط بچھانے کے لئے نہیں بلکہ خلافت کے قیام کے لئے بھیجا گیا تھا تاکہ جیسے آسمانوں میں اس کی مرضی چلتی ہے، ویسے ہی زمین پر بھی چلے اور ان لوگوں کے چلائے چلے جن کا "خلیفہ" کے منصب جلیلہ پر تقرر ہوا۔

اشرف المخلوقات کے خالق کی مرضی انسانوں پر چلنے لگے تو یہ دنیا ان دکھوں کا گھر نہیں رہے گی جن کی صرف ایک جھلک دیکھ کر ایک شہزادہ اپنا محل اور بیوی بچہ چھوڑ چھاڑ جنگل میں دھونی رمانے پر مجبور ہوگیا تھا۔ گوتم بدھ بھی آدمی تھا اور ہمارے چاروں طرف دو ٹانگوں پر گھومنے پھرنے والے ہر احساس سے عاری چرتے پھرتے انسان نما یہ جانور بھی آدمی ہیں جنہوں نے اللہ کی زمین کو اس کے بندوں کے لئے جہنم بنا کر رکھ دیا ہے۔○○

خلافت

اور بدنام زمانہ سیاست

کہیں آپ "خلافت" سے الرجک تو نہیں!

رحیم کاشفی

خلافت کی ندا کے بلند ہوتے ہی کچھ لوگوں کے چہروں پر ناگواری کی جھلک نظر آئی ہے تو عوام کی اقلیت اور خواص کی اکثریت نے اسے "سیاست" کا نام دے کر مروجہ سیاست کے چوکھٹے میں فٹ کیا اور وسوسہ اندازی کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو کچھ جان بوجھ کر شکوک و شبہات کو جنم دے رہے ہیں لیکن ان سب سے بے نیاز تحریک خلافت اپنی فطری چال سے سوئے منزل رواں ہے۔

سیاست دوراں کی نیرنگی کا مشاہدہ کرنے والا طبقہ جب رجال دین کو اس کوچے میں دیکھتا ہے تو ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے' وہ نہیں چاہتا کہ دین و مذہب سے منسوب جماعتیں یا افراد مکر و فریب کی سیاست میں ملوث ہوں۔ حتی کہ ان کی زبان سے سیاسی معاملات پر تبصرہ کو بھی ناپسند کیا جاتا ہے۔ اس ذہنی رد عمل میں میکیا ولی سیاست کے مشاہدات کا اثر یقیناً اسی ذہنی اپج کے پیچھے میکیا ولی تو ہے ہی' کچھ اس پروپیگنڈا کا بھی دخل ہے جس کے ذریعے دین و سیاست کو دو علیحدہ خانوں میں دکھایا جاتا ہے اور سیاسی معاملات کو دین سے خارج قرار دے دیا جاتا ہے۔ کچھ اپنی لاعلمی یا کم علمی اور کچھ پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر سیاست کو شجرہ ممنوعہ سمجھ لیا گیا ہے۔

علمی سطح پر اس رجحان کی خواہ کتنی ہی مذمت کی جائے لیکن یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ جاگیردارانہ نظام کے حامل مسلم ممالک میں جہاں جمہوریت مغربی آقاؤں سے وراثت میں ملی ہے' اکثر و بیشتر دینی جماعتوں کا رول کسی بڑی سیکولر قسم کی سیاسی پارٹی کے ضمیمہ کا ہی رہا ہے۔ انتخابی سیاست کو ناگزیر سمجھنے والے مذہبی عناصر اسمبلیوں میں چند نشستیں حاصل کرنے کے بعد پہلے سے موجود و قائم نظام باطل کو ڈھانے سے قاصر ہوتے ہیں اور بحالت مجبوری حکومتی یا حزب اختلاف کی جماعتوں سے منسلک ہونے میں ہی گوشہ عافیت تلاش کرتے ہیں جہاں وہ قائم شدہ نظام کی خدمت و چاکری میں طوعا و کرھا لگ جاتے ہیں۔ ان کی ساری تگ و دو چند قوانین کی اصلاح تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور نظام فاسد کے انہدام کا تصور ان کے ذہنوں سے محو ہو کر رہ جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی مذہبی نوعیت کی سیاسی جماعتوں کا رول اب تک یہی رہا ہے۔ جاگیردارانہ ماحول کی سیاست میں وہ کوئی موثر کردار ادا کرنے کی بجائے اپنی ساکھ ہی خراب کرتی رہی ہیں۔

انتخابی نعروں کی گھن گرج کے ساتھ' بڑے بڑے منشوروں کی شکل میں انتخابی وعدوں کا بوجھ لادے جب ایسی جماعتیں اسلامی نظام کے نفاذ سے قاصر رہتی ہیں تو لامحالہ عوام کا اعتماد ان پر سے اٹھتا چلا جاتا ہے۔ جبکہ خود یہ جماعتیں بھی اپنے کردار پر نظر ثانی کرنے کی بجائے اپنے مسائل کا مداوا انتخابات کی کھائی میں ہی تلاش کرتی رہتی ہوئی نیچے سے نیچے اترتی چلی جاتی ہیں۔ اس انتخابی سیاست نے انہیں کہیں کا نہ رکھا۔ پاکستان میں انتخابی سیاست کے ذریعے نظام کو تبدیل کرنے کی دعویدار جماعتیں نظام کو تو کیا تبدیل کرتیں' قوانین تک تبدیل نہ کروا سکیں۔ البتہ خود کو اس نظام میں جذب کر لیا چنانچہ جذباتی نعرے انتخابی وعدے اور ٹانگ گھسیٹنے کی سیاست ہی اب ان کا وطیرہ ہے۔

متذکرہ بالا صورت حال میں "مذہبی افراد کا سیاست سے کیا سروکار کا پروپیگنڈہ اور اس پر مستزاد مذہبی جماعتوں کا انتخابی معرکے میں کردار نے مل جل کے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ نتیجتا عوامی ذہن اس باب میں مزید پختہ ہوتا چلا گیا کہ دین کی بات کرنے والوں کو سیاست زیب نہیں دیتی۔ وہ مذہبی عناصر کو ایوان حکومت میں دیکھنے کی بجائے منبر و مسند پر ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔

دین کے محدود تصور نے چند مذہبی رسومات کو ہی کل دین بنا دیا ہے۔ حکومت و ریاستی اور زندگی کے اجتماع پہلو سے متعلق بات کو عوام کی اکثریت ناگواری سے سنتی ہے اور اس میں وہ قصور وار بھی نہیں کہ طویل عرصہ سے انتخابی سیاست کا تماشہ نہ صرف دیکھ رہی ہے بلکہ اس میں شریک بھی ہوتی ہے۔ خانقاہی فکر کے ساتھ انتخابی سیاست کی تگ و تاز نے عوام کو سیاست ہی سے بدظن کر دیا ہے۔ وہ افرنگ زدہ افراد کو تو ایوان اقتدار میں دیکھنا پسند کرتے ہیں اور ان سے ہر قسم کے ہڑبونگ کی توقع بھی رکھتے ہیں لیکن سیاست کی وادی میں رجال دین کی آبلہ پائی انہیں پسند نہیں۔

عقل دانش تجربات و مشاہدات اور حالات و ضرورت متقاضی ہیں کہ اسلامی نظام' حکومت الہیہ یا نظام مصطفیٰ کی آرزو مند جماعتیں اپنے موقف کا جائزہ لے کر انتخابی سیاست کو خیرباد کہیں اور اس کی بجائے انقلابی عمل کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی راہ ہموار کریں تو فی الوقت یہی اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہوگی سیاست یقیناً شجر ممنوعہ نہیں ہے بلکہ حدیث نبویؐ کے مطابق تو بنی اسرائیل کی سیاست و حکومت ان کے انبیا کرتے تھے' "ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا تھا اور خبردار رہو میرے بعد کوئی نبی نہیں ہیں ہاں میرے خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے" البتہ سیاست برائے خلافت کے لئے منہج انقلاب نبوی پر کاربند ہونا لازم و ناگزیر ہے تاکہ ابتداء عوام کے ذہن و شعور میں سیاست محمدی کا رنگ جما دیا جائے۔ لا یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا اگر آپ خلافت سے الرجک نہیں تو آیئے خلافت کی کشتی میں سوار ہو جایئے۔ بسم اللہ مجرھا و مرسھا شاید کہ یہ کشتی عالم اسلام کو آنے والے طوفان سے بچا لے جائے۔ ○○

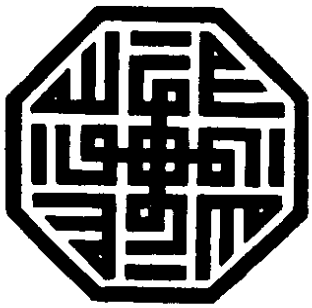

دعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں

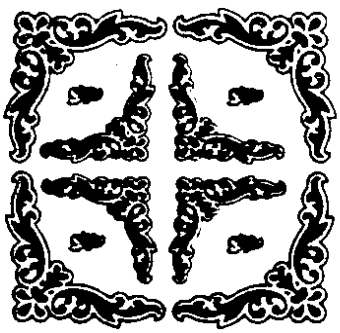

بہت سے ناواقف لوگ قبولیت دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی ۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے ۔ بندے کا علم بے حد ناقص ہے بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم و جہول ہے ۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے دولت مندی نعمت ہے ۔ اور بہت سے ہیں جن کے لئے دولت فتنہ ہوسکتی ہے۔ بہت سے بندوں کے لئے حکومت و اقتدار وسیلہ قرب خداوندی ہوسکتا ہے اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لئے حکومتی اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے --- بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے ۔ اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کے لئے بہتر نہیں ہوتی ' یا اس کا عطا کرنا حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم و دانا ہے ' یہ بات اس کے علم و حکمت کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرمادے ۔

دوسری جانب اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا' کبھی تو اس کو وہی عطا فرمادیتا ہے جو دعا میں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرمادیتا ہے اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کے لئے ذخیرہ آخرت بن جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے ۔ بہرحال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا رائیگاں نہیں جاتی اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا ۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے ۔ یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے ۔ یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے ۔ صحابہؓ نے عرض کیا : جب بات یہ ہے (کہ ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے ۔ (رواہ احمد)

مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہونگی ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائے گا تو بندے کی زبان سے بے اختیار نکلے گا کہ " اے کاش میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی اور ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا"۔